حیات سیدنا یزید رحمہ اللہ

آغاز خلافت ــــ ۲۲ رجب ۶۰ھ

تاریخ وفات ــــ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ

نوٹ!

احقر کے عقیدے کے
مطابق یزید اور یزید کے
حمایتی لعنتی و مستحق نار ہیں۔

محمد قمر الدین نورانی جلالی

مؤلف

ابو الحسین محمد عظیم الدین صدیقی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

نام کتاب ــــــــ حیاتِ سیدنا یزیدؒ
مؤلف ــــــــ ابو الحسین محمد عظیم الدین صدیقی
طبع ــــــــ
کتابت ــــــــ ابو محمد حسین احمد نجیب
تعداد ــــــــ ایک ہزار
مطبوعہ اسحاقیہ پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر
مجلسِ حضرتِ عثمانِ غنیؓ کراچی

مکرمی جناب ابو الحسین صدیقی مدظلہٗ

"حیاتِ سیدنا یزیدؒ" موصول ہوئی۔ اس مہربانی کے لئے از حد مشکور و ممنون ہوں، کتاب بے نظیر کا بار بار مطالعہ کیا اور بار بار دل سے دعا نکلی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو عمرِ نوح مرحمت فرمائے اور خدمت و تبلیغ دینِ حقہ کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔ سبائی مفسدین کے چودہ سو سالہ گمراہ کن پروپیگنڈہ نے جس بری طرح سے امیر المومنین سیدنا یزیدؒ کی حیاتِ مبارکہ کو مسخ کیا کہ حقیقت کھو کر رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ اس معصوم تابعیؒ کا نام لینا تو اہلِ سنت والجماعت بھی عظیم گناہ سمجھتے ہیں آپ نے کمالِ ہمت اور جرأتِ ایمانی سے سیدنا یزیدؒ کی حیاتِ مبارکہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر کے اپنی دنیوی و اخروی زندگی کو سنوارا ہے اور ابدی نجات حاصل کر لی ہے۔

دعا ہے کہ اس عظیم تابعیؒ کی سوانح حیات سے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو مستفید و مستفیض ہونے کا شرف نصیب ہو۔

والسلام
احقر
نظامی

ڈاکٹر السید محمد سلطان نظامی۔
سیکریٹری جمعیت محبین صحابہؓ ــــ لاہور۔

مکرم و محترم جناب مولانا عظیم الدین صدیقی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

صرف آپ کا اسم گرامی ہی عظیم الدین نہیں، آپ نے دین کی عظمت بلند کرنے کیلئے ایک بڑا عظیم کارنامہ بھی انجام دیدیا۔ آپ کو واقعی اور بلا مبالغہ اسم با مسمّٰی کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے کتاب "حیات یزیدؒ" لکھ کر ایک عظیم اور لازوال خدمت انجام دی ہے۔

میرے والد ماجد قاضی محمد احسن الدین شیرکوٹی جو بڑی علمی اور عملی شخصیت ہیں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ؒ کے خصوصی ساتھیوں اور بزرگوں میں سے ہیں ایک ہی استاد کے شاگرد اور ہم وطن اور عزیز ہیں۔۔۔ اس وقت ۹۷ سال عمر ہے، بچپن سے تہجد گذار ہیں ۱۷ سال کی عمر سے آج تک تہجد اور دوسرے معمولات میں خلل نہیں پڑا۔ شاہ عبدالمالک نقشبندی کے خلیفہ بھی ہیں زندگی بھر بے شمار دینی خدمات بلا کسی لالچ کے انجام دیتے رہے قاضی شہر تھے شیرکوٹ ضلع بجنور کے۔ ایک بہت بڑا دار العلوم والد صاحب کی یادگار ابھی وہاں موجود ہے۔ بڑے وسیع النظر اور محقق عالم ہیں۔ جب میں نے آپ کی یہ کتاب لاکر پیش کی تو اسی وقت سے پڑھنی شروع کر دی تھی، تقریباً مکمل پڑھ چکے ہیں، بے انتہا مدّاح اور دعا گو ہیں ۔ اس پر تحریر فرما دیا ہے کہ

"یہ جلیل القدر صحابیؓ کے خلف الرشید یزیدؒ کی نہایت مستند، مدلل اور محققانہ سوانح ہے اور حملوں کے زہر کا تریاق بھی"

اللہ آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔

قاضی محمد سمیع الدین

نارتھ ناظم آباد ـــــــ کراچی ۳۳

مکرمی جناب مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی مدظلہ

بعد از سلام خیریت موجود و مقصود ـــ

بندہ نے حضور والا کی تالیف کردہ کتاب "حیات سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ" کا گہرا مطالعہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اور حسنین کریمینؓ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق۔ حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے تعلق۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا حضرت یزیدؒ سے تعلق قسطنطنیہ میں حضرت یزیدؒ کا سپہ سالار ہونا۔ امارت حج صحابہؓ کی موجودگی میں انجام دینا تقریباً تین سو صحابہؓ مع ازواج مطہراتؓ کا حضرت یزیدؒ پر اعتماد کرنا حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے صحابہؓ کے مشورے سے حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ کو ولی عہد بنانا۔

مندرجہ بالا کتاب پڑھ کر بہت خوشی ہوئی سیکڑوں برس سے جو لوگ جس غلط فہمی کا شکار ہو رہے تھے آپ کی کتاب "حیاتِ سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ" کا مطالعہ کرکے کافی لوگوں کو فائدہ ہوا اور بناوٹی شبہات دور ہو گئے۔ اللہ آپ کو اس کار خیر کی جزائے خیر نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔ واقعی یہ کام بہت مشکل تھا بڑے بڑے محققین یہ کام انجام نہ دے سکے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ سے لے لیا ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

دعا گو

غلام مصطفیٰ معاویہ

جامع مسجد ربانی اکرام آباد، لاہور ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشہور و ممتاز اہل قلم علامہ عظیم الدین صاحب کی تالیف "حیات سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ" کا ایک ایک لفظ ہم نے بڑے غور اور انہماک کے ساتھ سنا۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ علامہ موصوف کی یہ تالیف نفاق کے سب سے بڑے فتنہ کا بہر طور مداوا ہے، امیر المومنین یزید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے والد امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام تراشی اور بہتان طرازی کر کے بدنام کرنا اور ان کی بدنامی کے ساتھ دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کا جواز پیدا کر کے دین کی اساس پر ضرب کاری لگاتا ہے، یہ کتاب نفاق کے اس سب سے بڑے فتنہ کا بہترین دفاع ہے، اس فتنہ کا ازالہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر مذکورہ دونوں بزرگوں پر الزام تراشی سے صرف نظر کر لیا جائے تو مقتدر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشی، اتہام طرازی کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور منافقین کو نظریۂ اسلام کی اساس پر ضرب کاری لگانے میں آسانی ہو جاتی ہے.....

..... ہم فاضل مؤلف کی خدمت میں پر خلوص ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں۔

حکیم محمد یعقوب اجملی
شاہ فیصل کالونی، اجملی ہاؤس کراچی ۲۵

محترم السید الاستاذ، المکرم محمد عظیم الدین صدیقی صاحب
سلام مسنون

خط ملا — آج ہی شیخ القرآن سے بات کی، کتاب "حیات سیدنا یزیدؒ" ان کو ابھی تک نہیں ملی۔ تبصرہ اور رائے کی درخواست بھی کی، انھوں نے قبول فرما لیا۔

ویسے وہ بھی حضرت امیر یزیدؒ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارا ہے لیکن وہ بھی میری ہی طرح برملا اظہار بوجوہ نہیں کرتے۔ یہ مجبوری نامعلوم ہماری کب تک چلے گی؟ کوئی آنے والا نہیں ہے، ورنہ دستی کتب مزید منگواتا۔

والسلام
محمد عبداللہ
خطیب مرکزی جامع مسجد، اسلام آباد

مکرم و محترم مولانا صدیقی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

آپ کی یہ تصنیف "حیاتِ سیدنا یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" بلاشبہ اس موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجددِ تاریخ اسلام حضرت مولانا محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ کی گرانقدر تصانیف کے بعد آپ نے جس خوبی اور دقتِ نظر سے امیر المؤمنین حضرت یزید رح کی صالحانہ اور مؤمنانہ زندگی پر روشنی ڈالی ہے اور معاندینِ اسلام مجوسیوں اور یہودیوں کی ذریت کے پھیلائے ہوئے اکاذیب کی جس عالمانہ اور محققانہ انداز میں دھجیاں بکھیری ہیں وہ قابلِ تحسین اور لائقِ صد مبارکباد ہے۔ سبائیوں، رافضیوں اور ان کے چیلوں چانٹوں نے اسلام کے اس بطلِ جلیل کے اخلاق و کردار پر اپنی پست فطرت کے مطابق جتنی جھوٹی الزام تراشیاں کی ہیں اور اپنے لئے جہنم کے اسفل ترین حصہ میں جگہ محفوظ کرائی ہے۔ آپ نے بڑی خوبی سے ان کا پردہ چاک کر دیا ہے ـــــ دینِ اسلام کے قابلِ ذکر خدمت گذاروں میں نوجوان امیر المؤمنین یزید رحمۃ اللہ علیہ کو ہی یہ فخر و امتیاز اور اعزاز حاصل ہے اور اس اعتبار سے ان کی شخصیت منفرد ہے کہ ان کے ہاتھ پر ان سے افضل و بہتر فرزندانِ اسلام نے بیعتِ خلافت و اطاعت کی، ظاہر ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اس وقت حضرت عبد اللہ بن عمر رض اور حضرت عبد اللہ بن عباس رض جیسے بلند پایہ صحابہ موجود تھے جو ہر لحاظ سے امیر المؤمنین یزید رح سے افضل تھے، ان کا ان کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ اس نوجوان کے اخلاق و کردار اولی العزمی، بلند ہمتی اور قائدانہ صلاحیتوں سے نہ صرف مطمئن تھے بلکہ معترف بھی تھے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صحت و تندرستی کے ساتھ عمر میں برکت دے

طالبِ دعا

احقر منظور احمد عثمانی

صدر ادارہ تحفظ ناموس صحابہ رض ـــــ لاہور

محترم مولانا محمد عظیم الدین صدیقی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

آپ کی کتاب "حیاتِ سیدنا یزید رح" اور "حادثہ کربلا" دونوں نظر سے گذریں سبائیوں کے طلسم توڑنے کی جو سعی آپ فرما رہے ہیں میں اس سے پورے طور پر متفق اور آپ کے ہم خیال ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے مقصد میں کامیاب و بامراد بنائے۔ (آمین)

حاملِ رقعہ کے ذریعہ اپنا ایک کتابچہ آپ کی خدمت میں ہدیۃً بھیج رہا ہوں اُمید کہ اسے قبول فرمائیں گے۔ اس کے بعد مفصل کتاب "آئینہ کربلا" آنے والی ہے۔ آپ سے پہلی بار یہ نیاز حاصل کر رہا ہوں۔ ردِ شیعہ میں عمدہ کتابوں سے ہمیں اطلاع دیتے رہیں اور ہمارے لئے مخلصانہ دعا بھی کرتے رہیں۔

حبیب الرحمٰن خیر آبادی

مفتی جامعہ عربیہ حیات العلوم پیر زادہ مراد آباد

محبی و مشفقی حضرت محمد عظیم الدین صدیقی صاحب زاد الطافکم

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

آپ کا فرستادہ تحفہ بصورت "حیات سیدنا یزید رح" مجھے پہنچا۔ یاد آوری اور کرم گستری کا بے حد شکریہ۔ عشاء کے بعد اسے شروع کیا اور صبح کی آذان تک پڑھ ڈالا۔ جوں جوں امیر المومنین سیدنا یزید رح کی سیرت کا مطالعہ کرتا گیا۔ مزید اشتیاق بڑھتا گیا ــــ بلاشبہ اس کتاب کی اشد ضرورت تھی جسے آپ کے تبحر علمی نے فراہم کر دیا۔ یقیناً یہ کتاب حیات امیر المومنین سیدنا یزید رح پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں اس سے بہتر کوئی کیا لکھے گا۔

رب العزت دفاع صحابہ رض رسول مقبول ﷺ میں آپ کی اس سعی بلیغ کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو شہرت نام اور بقائے دوام بخشے آمین

خیریت طلب ۔ آپ کا اپنا

قلبی

الحاج محمد سحاق قلبی ـــــ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـــــ راولپنڈی

امیر المومنین سیدنا یزید رح کی سیرت پر علمی انداز میں اس سے پہلے بھی چند ... لکھی جا چکی ہیں۔ اور سیکڑوں سے متجاوز تاریخی کتب میں آپ کے حالات موجود ہیں ...... اس موضوع پر صرف مثبت انداز میں فاضل نوجوان ابو الحسین محمد عظیم الدین صدیقی مولف کتب کثیرہ نے "حیات سیدنا یزید رح" نامی تالیف نہایت محققانہ انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ کتاب من البدء والی الختم ٹھوس علمی شہادتوں پر مشتمل ہے۔ اور ان افراد کے لئے جو اغیار کے تلبیسی پروپیگنڈہ کا شکار ہو کر سیدنا یزید رح کی ذات کو مورد الزام طعن و تشنیع بنا کر اپنے خرمن ایمان کی سوزکاری کا موجب بن رہے ہیں۔ کے لئے راہ ہدایت بھی ہے اور سرمہ بصیرت بھی۔ اور فاضل مؤلف کیلئے موجب نجات۔

فیض عالم صدیقی

خطیب جامع مسجد اہلحدیث جہلم

زیر نظر کتاب "حیات سیدنا یزید رح" کا نام سن کر اکثر لوگوں کو تعجب ہوگا، کیوں کہ تاریخ اسلام میں حضرت یزید رح کے کردار کو اس قدر مسخ کیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا سراغ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں رہی لیکن تاریخ کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتی اور کوئی نہ کوئی ہمت والا تاریخ کی اصل تصویر دکھا دیتا ہے۔ حضرت مولانا عظیم الدین صدیقی صاحب کا شمار ان محقق اور اہل ہمت مصنفین میں ہونا چاہئے کہ ان کا حق ہے۔

الحمد للہ فاضل مصنف نے یہ کام بطریق احسن انجام دیا ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء

محمد اسماعیل آزاد

ادارہ معارف الحق ـــ کراچی

تقریظ

از: السید قاری محمد صدیق کاشمیری۔ ناظم اعلیٰ جمعیت خطباء اہلسنت۔ آزاد کشمیر

منافقین عجم اور کسرائی ذہن و افکار سے گہری وابستگی اور قلبی لگاؤ رکھنے والے مؤرخین نے اسلام دشمن انتقامی جذبے سے مجبور ہو کر قرنِ اوّل کے ہر اس شخص کے خلاف گندگی اور الزام تراشی کے انبار در انبار گھڑے جس نے کسی بھی حیثیت سے اسلامی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہو۔ امیر المؤمنین حضرت یزید بن معاویہ رضی بھی ان ہی مظلوم شخصیتوں میں شامل ہیں، جنہیں بدنام اور رسوا کرنے میں عجمی اہل قلم نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم و جدید تاریخی کتابوں میں آپ کے نقائص اور من گھڑت الزامات کی اسقدر بھرمار پائی جاتی ہے کہ ان کے حقیقی نقوش و کردار لاپتہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان حالات میں ان حسین اور سچے موتیوں کی تلاش اور ان کا پانا کس قدر کٹھن اور دشوار گزار کام ہے جنہیں بارہ سو سال سے من گھڑت روایاتی گندگی میں دبایا جاتا رہا اور جنہیں مسلسل مخالفانہ پروپیگنڈے کے ذریعہ مذموم و معیوب باور کرانے کی سر توڑ کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ مولانا محمد عظیم الدین صدیقی کی ہمت، محنت اور بھر جرأت پوری امت کی طرف سے مبارکباد کی مستحق ہے کہ تاریخ کے اس اہم اور پُر محن موضوع پر زیرِ نظر کتاب لکھ کر نہ صرف یہ کہ علمی و تحقیقی میدان میں ایک قابلِ تقلید پیش رفت کی بلکہ حضرات صحابہ کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے خلاف اٹھائے جانے والے اس "طوفانِ عداوت" کے سامنے ناقابلِ شکست بند باندھا ہے جو کسرائی علم بردار، سیدنا یزید رضی کے بارے میں من گھڑت اور بے بنیاد کہانیوں کی آڑ لے کر بپا کرتے چلے آرہے ہیں یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ۔

بلاشبہ فاضل موصوف کا یہ تحقیقی کارنامہ تحفظ ناموس صحابہ رضی کے سلسلے میں ایک اہم اور مقدس کوشش ہے۔ ہم تحسین و آفرین کے نیک جذبات و احساسات کے ساتھ دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور مسلمان قوم کو اس سے مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔ ایں دعا از من و از اہل جہاں آمین باد۔

خیر اندیش محمد صدیق کاشمیری

تعارف

ازقلم

مجتہد العصر، الشیخ، مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

مظلوم کئی طرح کے ہوتے ہیں ــــ ایک وہ جو مظلوم نہیں ہوتے مگر اپنی مظلومیت کا خوب پروپیگنڈہ کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو جائیں نیز ان کی اپنی کمزوریاں داستانِ مظلومیت کے دبیز پردوں میں دب کر چھپ جائیں۔ ــــ بعض مظلوم ایسے بھی ہوتے ہیں جو دراصل ظالم ہوتے ہیں لیکن اپنے ظلم کو چھپانے کے لئے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں ــــ بعض مظلوم حقیقۃً مظلوم ہوتے ہیں مگر ان کی مظلومیت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا جاتا بلکہ اسے پروپیگنڈے کے زور سے اس طرح ذہنوں سے محو کر دیا جاتا ہے کہ مظلوموں کی فہرست میں ان کا نام ہی نہیں آتا بلکہ ان کی واقعی مظلومیت کو داستان ظالمیت بنا دیا جاتا ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ ان مظلوموں کی تمام خوبیاں داستانِ ظالمیت کی تہوں میں دب کر فراموش ہو جائیں۔ دنیا کی تاریخ میں ان تمام قسم کے مظلوموں کی مثالیں موجود ہیں۔

لیکن

ان تمام قسموں سے زیادہ عجیب تر مظلوم وہ لوگ ہیں جو:-

۱ ــــ کسی ظلم کے بغیر ہی ظالم فرض کر لئے جائیں۔

۲ ــــ جن کے عظیم کارناموں کا کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔

۳۔ جن کے قابلِ احترام رشتوں کا کوئی احترام نہیں کیا جاتا۔

۴۔ جن کے قطعی جنتی ہونے کے باوجود کافروں سے بھی بدتر جہنمی سمجھا جاتا ہے۔

۵۔ جن کے فضائل و مناقب کو زبان پر لانا بھی گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے۔

۶۔ جن پر لعن طعن کرنا ایک عبادت قرار دیا جاتا ہے۔

۷۔ جن کی فرضی داستان ظلم کی تکرار کو زندگی کا بے ضرورت مشن بنا لیا گیا ہے۔

آپ سمجھے

یہ کون ہیں ؟ ---------- یہ وہ ہیں جن کے حقیقی پھوپھا ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جن کے خسر ہیں عبد اللہ بن جعفرؓ۔ جن کے بہنوئی ہیں حضرت حسینؓ بن علی۔ جن کی قیادت میں جناب حسینؓ، جناب عبد اللہ بن جعفرؓ، جناب عبد اللہ بن عمرؓ، جناب عبد اللہ بن عباسؓ اور میزبان رسولؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ، وغیرھم جیسے جلیل القدر صحابہؓ و تابعینؒ نے جہاد کیا اور جن کی امامت میں یہ سب حضرات نمازیں ادا کرتے رہے۔ جو قائدِ جہاد قسطنطنیہ ہیں اور جن کو اس جہاد سے بہت پہلے ہی پورے لشکر کے ساتھ زبانِ رسالت نے مغفرت کی بشارت دے دی تھی۔

اِن پر

دو اعتراضات بڑے زور شور سے کئے گئے ہیں :-

۱۔ یہ اپنے پدر بزرگوار کی نامزدگی سے خلیفہ ہوتے تھے۔

۲۔ جو تھے نواسۂ رسولؐ کو قتل کرایا۔

دوسرے اعتراض کا جواب تو جناب مولانا محمد عظیم الدین صاحب صدیقی اپنی کتاب "حادثۂ کربلا" میں بھی بڑی خوبی سے دے چکے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ نواسۂ رسولؐ کے قاتل وہ سانحہ کوفی ہیں جو آپؓ کو بہکا کر کوفے لئے جا رہے تھے لیکن جب

آپ نے انکی غداریوں کا حال معلوم کر لیا تو سفر کا رُخ بدل لیا اور خلیفۂ وقت کے بیعت کے ارادے سے دمشق روانہ ہونے لگے تو انہی کوفی دوستوں نے۔ جو خلیفۂ وقت کے دشمن تھے۔ آپ کو قتل کر دیا۔ اور ان بدبخت قاتلوں کو خلیفۂ وقت کی فوج نے ختم کیا۔ دراصل ان کوفی غداروں کو یہ خطرہ تھا کہ اگر چوتھے نواسۂ رسولؐ نے خلیفۂ وقت پر یہ راز فاش کر دیا کہ ہم ہی نے ان کو بغاوت پر اکسایا تھا۔ پھر ہماری خیر نہیں۔

ذہن نشین رہے کہ آنحضورؐ کے چار نواسے تھے۔ علی بن ابی العاصؓ جنہوں نے دوشِ رسولؐ پر سوار ہو کر کعبے کے بت گرائے تھے۔ دوسرے عبد اللہ بن عثمانؓ جن کی اولاد آج تک باقی ہے، تیسرے حسن بن علیؓ اور چوتھے حسین بن علیؓ۔

اور پہلے اعتراض کا جواب پیشِ نظر کتاب میں دیا ہے جس میں فاضل مصنف نے بعض اچھوتے اور مبنی بر حقیقت نکات کی نشاندہی کی ہے۔ موصوف نے یہ بتایا ہے کہ آنحضورؐ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کو مصلائے امامت پر کھڑا کر کے اشارۃً نامزد کر دیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو صراحۃً نامزد کیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے چھ آدمیوں کو نامزد کر کے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار انہی کو دیدیا۔ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے کسی کو نامزد کرنے کا موقع ہی نہ پایا۔ سیدنا علیؓ ذی النور نے اپنے فرزند جناب حسنؓ کو مصلائے امامت پر کھڑا کر کے اشارۃً نامزد کر دیا۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کو اپنے بعد کے لئے ہی نہیں بلکہ زندگی ہی میں نامزد کر کے خلافت سپرد کر دی اور بیعت کر لی۔ پھر حضرت معاویہؓ نے اسی سنت راشدہ کے مطابق اپنے فرزند کو نامزد کر دیا۔ اصولی طور نامزدگی کوئی گناہ نہیں بلکہ یہی وہ سنت متواترہ ہے جو عہد نبوی سے اب تک چلا آ رہا تھا۔ اور باپ کے بعد بیٹے کا مسند نشین ہونا بھی کوئی معصیت نہیں ورنہ سیدنا علیؓ صاف لفظوں میں اس کی ممانعت کر دیتے کہ میرے بعد حسنؓ ہرگز خلیفہ نہ ہوں۔

پس جب نامزدگی بھی جائز ہے اور باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ ہونا بھی جائز ہے تو ان دو جائزوں کا ملاپ ناجائز کس طرح ہو جائے گا ؟

بہر حال مولانا عظیم الدین صاحب نے اس مسئلے پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے اور اس کے علاوہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے نامزد کردہ خلیفہ برحق کے جو مناقب و فضائل یکجا کئے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے ۔ ان کی محنتِ شاقہ کی قدر نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی ۔

مولانا نے ابھی اس موضوع پر اپنی تصنیف کا صرف پہلا حصہ پیش کیا ہے۔ امید ہے کہ دوسرا حصہ بھی جلد ہی منظر عام پر آجائے گا ۔ غافلوں اور بزعم خود غلط حضرات کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہی حصہ کافی ہے ۔ اس نے بہت سی غلط فہمیاں دور کردی ہیں ۔ تاریخی مغالطے ، رسم و رواج اور خود ساختہ تصورات جب عقیدہ و ایمان بن جائیں اور عیارانہ پروپیگنڈا چہرۂ حقیقت کو مسخ کردے تو اصلیت کو پہچاننے میں بڑی دیر لگتی ہے لیکن مولانا عظیم الدین صاحب نے صدیوں کو لمحوں میں بند کرکے راستہ بہت ہی قریب کردیا ۔ اب منزل تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی ، اور حقیقت کو پہچاننے میں تاخیر نہیں ہوگی ۔ انشاء اللہ تعالےٰ ۔

ہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئیے کہ تمام سلاسلِ طریقت سیدنا علیؓ سے جاملتے ہیں اور ہم نے دیکھا کہ ہر خانقاہ ، ہر گدی ، ہر آستانے اور ہر تکیئے پر یہ ہوتا ہے کہ باپ مرا اور بیٹا گدی نشین ہوگیا ۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ سلسلہ تو حضرت علیؓ کا ہے اور وہاں سنت حضرت معاویہؓ کی چل رہی ہے ۔ یہ ہیں وہ حضرات جو ہمیشہ سنتِ معاویہؓ پر طعن کرتے ہیں مگر انہی کی سنت اختیار کرنے پر مجبور ہیں اور شاید ہمیشہ ہی مجبور رہیں گے اور اپنی زندگی کے اس داخلی تضاد کو کبھی دور نہ کرسکیں گے ۔

محمد جعفر پھلواروی ——— کراچی

بھی کبھی آپ نے دیکھا ہے ؟ ــــ اگر نہیں ۔ اس لئے کہ دو مختلف مزاج اور متضاد کیفیات کی یکجائی و اجتماع ممکن ہی نہیں ۔ تو پھر آپ کسی تاریخ ساز قوم سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ تاریخ سازی کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے فرائض بھی انجام دے ۔ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۔

اور چونکہ قوانینِ فطرت میں کوئی استثنائی گنجائش نہیں اس لئے لامحالہ عرب قوم کو بھی ان ہی فطری و تکوینی ضابطوں اور راہوں سے دوچار ہونا پڑا ــــ خاتم المعصومین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ اور قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے ۔ اگرچہ آپ کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لئے تھی لیکن گرد و پیش کی عرب معاشرت اور دعوت اسلام کی اولین مخاطب عرب قوم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ چنانچہ آپ کے فیضانِ صحبت سے تربیت یافتہ حضرات صحابہ کرام رض کی وہ مقدس جماعت تیار ہوئی ، جسے انسانی فضائل و کمالات کا نقطۂ عروج ہی نہیں ، بلکہ سعی و عمل کا مجسم پیکر اور سراپا جہد و جہاد کہنا زیادہ مناسب ہے ــــ مکی دور میں انتہائی ظلم و ستم کے باوجود ایمان و اسلام پر استقامت اور پیش آمدہ مصائب و شدائد پر خندہ پیشانی سے صبر ــــ مدنی عہد میں کٹھن اور مایوس کن حالات کے باوجود میدانِ جہاد میں مسلسل جادہ پیمائی ــــ حضرات خلفائے راشدین سیدنا صدیق اکبر رض ، سیدنا فاروق اعظم رض اور سیدنا عثمان ذوالنورین رض کے رشد و ہدایت بھرے پچیس ۲۵ سالہ دور میں جہانگیری و جہانبانی کے ناقابل فراموش کارنامے ــــ سیدنا علی رض کی ساڑھے چار سالہ آزمائشی و عبوری حکمرانی میں دشمنان اسلام کی بپا کردہ اسلام دشمن کارروائیوں کے مقابل نبرد آزمائی ــــ ساٹھ لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ میں پھیلی ہوئی سیدنا معاویہ رض کی بیس ۲۰ سالہ خلافت راشدہ اور اس [illegible] ہونے والی تسخیر ، فتوحات اور انسانی و اسلامی خدمات ۔

یہ سب کچھ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ قرنِ اول کی مسلم قوم خصوصاً مسلمانانِ عرب ، انسانی رُوپ میں سعی و عمل کی وہ چلتی پھرتی تعبیریں تھیں ، جن سے اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سازی کا مقدس کام لیا ــــ بایں ہمہ فکر و عمل کی تقسیم کے اس فطری قانون کی تنفیذ کا یہ کرشمہ ہے کہ جب تک مسلمان قوم اپنی تاریخ بنانے میں مصروف رہی ، انہیں تاریخ نویسی کی جانب توجہ کا موقعہ نہ مل سکا ۔ اور جب اس طرف دھیان لگایا تو تاریخ سازی کا وہ عمل قلم و قرطاس کے سنگم اور اس سے پیدا شدہ نتائج و عواقب کی بھینٹ چڑھ کر رہ گیا ، جس کے نتیجہ میں انہوں نے عرب کے ریگزاروں سے نکل کر اقصائے عالم میں کبھی نہ مٹنے والے تاریخی نقوش ثبت کئے تھے ــــ تاریخ سازی کے اس دور میں آپ کو عالم ، فاضل ، محدث ، مفسر ، فقیہ ، شمشیر زن ، تیر انداز ، شہسوار ، حاکم ، عامل ، افسر ، قاضی اور گورنر غرضیکہ ہر وصف و منصب کے لاتعداد افراد مل جائیں گے ، لیکن آپ اس تاریخ ساز قوم کے مصروفِ عمل افراد کی بغور چھان بین کریں تو "تاریخ نویس" نام کی کسی قابلِ ذکر شخصیت کی دستیابی سے محرومی رہے گی ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۔

سطور بالا پڑھ کر آپ کے ذہن میں یقیناً یہ سوال کروٹیں لے رہا ہوگا کہ پھر مسلمانوں کی تاریخ کے یہ بیش از بیش ذخیرے کیوں ، کیسے اور کہاں سے وجود میں آگئے ؟ موضوع اگرچہ تفصیل طلب ہے جس کے لئے تمہید کے طور پر لکھی گئیں یہ سطریں قطعاً ناکافی ہیں ۔ اس لئے تفصیلات کسی دوسری فرصت کے لئے قلم انداز کرتے ہوئے ، اجمالی اشارات پیش خدمت ہیں ۔

خلیفہ بلا فصل ، سیدنا صدیق اکبر رض کے عہد خلافت میں ایران کی مجوسی حکومت کے سہارے پر بپا کردہ مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کا فتنہ ہی ختم نہیں کیا گیا ، بلکہ بعض

نے کی کوششیں کی گئیں ۔ بالآخر حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ اسی انتقامی سازش کے
ت شہید کئے گئے ——— اس انتقامی پروگرام میں بنو ہاشم ، بالخصوص حضرت
علی رضؓ کے ساتھ محبت اور ان کے استحقاق و برتری کے اظہار کو بڑی اہمیت حاصل
رہی تھی اس لئے انتقامی مشن کے مزید تحفظ کے لئے ضروری سمجھ کر سبائی بلوائیوں
اور قاتلوں نے حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی ۔ سیدنا علی رضؓ کے عبوری
دور کی خانہ جنگیوں میں لاکھ کے قریب انسانوں کا قتلِ عام اسی انتقام کی ایک کڑی
ہے ——— حضرت علی رضؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضؓ نے امیرالمؤمنین حضرت
معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر کے عجمی انتقام کی پیش رفت کو روک دیا ۔ سیدنا
معاویہ رضؓ کے عہد خلافت میں ان سازشیوں کو کھل کھیلنے کا موقعہ نہ مل سکا اس لئے اسلام
دشمن تحریک نے زیر زمین مشن کی صورت اختیار کر لی ——— یہی وہ دور ہے جب انتقامی
عناصر نے بڑے پیمانے پر روایات گھڑیں اور انہیں حد درجہ رازداری ، تقیہ بازی ،
اور کتمان و اخفاء کی دبیز چادر میں چھپا کر عام کرنا شروع کیا ۔ حتیٰ کہ ان عجمی ٹکسالوں سے
روایات و حکایات کے اس قدر کھوٹے سکے گھڑے گئے ۔ اور پھر انہیں ہمہ گیری و تسلسل
کے ساتھ اتنا پھیلایا گیا کہ اس خالصۃً انتقامی و سیاسی تحریک نے مذہبی رنگ اختیار
کر لیا ۔ آگے چل کر انہیں موضوع روایات اور مبالغہ آمیز مناقب کے ذریعہ بنو عباس اور
بنو علی نے عجمیوں سے ساز باز کر کے بنو امیہ کا تختہ الٹ دیا ۔

وضعت الرافضة فی فضائل علیؓ واهل البیت نحو ثلاث
مائة الف حدیث ۔ (موضوعات کبیر ص ۱۰۶)

"روافض نے حضرت علی رضؓ اور اہل بیت کے فضائل سے متعلق تین لاکھ کے لگ
بھگ روایتیں بنائی ہیں" ۔

ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویة وذم عمرو بن العاص

وذم بنی امیۃ ومدح المنصور والسفاح وکذا ذم یزید والولید ومروان بن الحکم۔ (موضوعات کبیر ۱۰۶)

"اسی طرح حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ بن عاص اور دیگر بنو امیہ خصوصاً امیر یزیدؒ اور ولیدؒ اور حضرت مروان بن حکمؓ کی برائی — اور خلیفہ منصورؒ اور خلیفہ سفاحؒ کی تعریف سے متعلق روایات بھی من گھڑت اور وضعی ہیں۔"

صرف یہی نہیں کہ عجمیوں نے اپنی انتقامی حکمت عملی کے پیش نظر مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹ کر ایک کی تعریف اور دوسرے کی برائی میں روایات گھڑیں، بلکہ انہوں نے اسلامی عقائد و اعمال کے ہر ہر گوشے سے متعلق ایسی ایسی گھناؤنی، متضاد اور ناقابل فہم روایات بھی وضع کیں جن سے اسلامی تعلیمات کا منور چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا — بنو عباس کے دور میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اب تک زبانی اور سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی روایات کو باقاعدہ مدون ہو جانا چاہیئے، تاکہ سیاسی اور انتقامی مصلحت کی خاطر گھڑا گیا یہ مواد نہ صرف محفوظ ہو جاتے، بلکہ آئندہ آنے والوں کے لئے مستقل طور پر ایسا ریکارڈ ثابت ہو جس کے ذریعہ اجتہاد و استنباط، بحث و تمحیص اور اختلاف و انتشار کا نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے، جس میں داخل ہو کر مسلمان قوم اتحاد و اجتماعیت اور باہمی اخوت و محبت سے محروم ہو کر عجمی انتقام کا شکار ہوتی رہے۔

"اموی دور خلافت میں تاریخ ساز مسلم قوم بالخصوص عربوں کو کسی اور طرف توجہ کی فرصت نہ ملی اور جب عباسی دور میں تاریخ نویسی باقاعدہ شروع ہوئی تو عموماً عجمی اہل علم اور ارباب قلم اس علمی اور روایاتی سرمائے کے حامل و وارث ہو چکے تھے جنہوں نے فرصت و فراغ کی بدولت صحیح و سقیم ہر دو طریقوں سے سن کر اسے اکٹھا کر لیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس علمی ذخیرے میں صحیح احادیث اور سچے تاریخی احوال پر مشتمل روایات بھی موجود تھیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وضعی و من گھڑت روایات، جھوٹے قصے اور فرضی داستانیں غالب حیثیت کی حامل تھیں — اللہ بھلا کرے فقہائے محدثین کا کہ دشواریوں کے باوجود انہوں نے بڑی حد تک رطب و یابس روایات کے اس ڈھیر کی چھان پھٹک کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ مثال کے طور پر امام بخاریؒ کو لیجئے کہ انہوں نے کم و بیش چھ لاکھ روایات میں سے اپنے مقرر کردہ معیار صحت کے مطابق پونے تین ہزار کے لگ بھگ روایات کا انتخاب کر کے باقی کو قلم انداز کر دیا — اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے تک سقیم و غیر صحیح روایات کا کس قدر انبار لگایا جا چکا تھا۔

صحیح بخاری کے گہرے اور حقیقت پسندانہ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روایات کی تنقیح و تطہیر کا عمل جاری تھا کہ امام بخاریؒ کا انتقال ہو گیا، ورنہ کچھ اور موقعہ ملتا تو وہ اس میں مزید حک و اضافے سے کام لیتے — صحیح بخاری میں کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں باب یا ترجمۃ الباب یا متعلقہ روایات کا اندراج نہیں۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب امام بخاریؒ کا وہ بیاض ہے جو ان کے زیر تحقیق و تدوین تھا جس میں مزید کمی، بیشی کے لئے انہوں نے جگہیں چھوڑ رکھی تھیں، جنہیں وہ کسی وجہ سے اپنی زندگی میں پُر نہ کر سکے۔

بلاشبہ امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کرام نے لاکھوں مخلوط روایات کے انبار سے صحیح روایات چھانٹنے کا عظیم کام انجام دیا۔ لیکن اس عمل تطہیر کو نہ انہوں نے حرف آخر سمجھا اور نہ ہی دوسرے فقہاء و محدثین نے اس پر کسی کمی و بیشی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس لئے بعد میں آنے والا محقق اگر کسی روایت کے بارے میں دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کر دے کہ یہ روایت صحت کے اس معیار پر پوری نہیں

اترتی جو خود امام بخاریؒ نے مقرر کیا ـــــ یا جیسے قرآن مجید نے معیارِ قبول قرار دیا ہے، تو یہ کوئی انوکھی اور اچنبھے کی بات نہیں، متقدمین ومتاخرین فقہاء وعلماء اسی اصول کے مطابق روایات کی ترجیح یا تردید کرتے آئے ہیں ـــــ بنا بریں، فضائل اعمال، مناقب، مثالب، مشاجرات اور بیان واقعات سے متعلق روایات کے سلسلہ میں اختیار کی گئی سہل انگاری اور اس سے پیدا شدہ اعتقادی فساد اور عملی بے راہ روی کے پیش نظر ازحد ضروری ہے کہ عنوانات بالا کی تمام تر روایات کو محققین اور ارباب فکر ونظر روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس اہم اور مقدس بلکہ ضروری فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہوں۔ جو اب سے بہت پہلے تکمیل تک پہنچ جانا چاہیئے تھا۔

تاریخی روایات وضع کرنے۔ اور ان کی نوک پلک درست کر کے مرتب ومدون کہانیوں کا روپ دینے والے عموماً مفتوحہ ممالک کے وہ عجمی افراد تھے، جنہوں نے احساس محرومی سے پیدا شدہ انتقامی جذبہ کے پیش نظر تاریخ نویسی شروع کی، تاکہ اس طرح وہ مسلمان عرب فاتحین کی بے عیب تاریخ کو اس درجہ گھناؤنا انداز دے سکیں کہ بعد میں آنے والے مسلمان اپنے اسلاف کے زریں تاریخی کارناموں پر فخر سے سر اونچا کرنے کی بجائے، ان "مسخ شدہ تاریخی اساطیر" کو پڑھ کر اقوام عالم کے سامنے منہ دکھلانے کے لائق تک نہ رہ سکیں ـــــ تاریخ کے مطالعہ سے عموماً یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ السیدین الکریمین حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ کو اس عجمی تیر اندازی کا سب سے زیادہ نشانہ کیوں بنایا گیا...؟ ـــــ بات یہ ہے کہ عجمی مفتوحین نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمان قوم فاتحینِ روم وعجم حضرات خلفائے ثلاثہؓ، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کی شان میں کسی بھی بدگوئی اور بدفہمی کو براہ راست قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اس لئے بنو ہاشم کو خلفائے مابعد کے ساتھ محاذ آرا کر کے ان کی فرضی مظلومیت اور ان کے ساتھ جھوٹی ہمدردی کا سوانگ رچا کر، حضرات خلفائے راشدینؓ اور ان تمام مجاہدین صحابہؓ پر سب وشتم، تبرا بازی اور انتقامی کارروائی کی راہ نکالی جن کے عزم وہمت، استقلال وشجاعت اور ایمان واستقامت کے سامنے ان کی شان وشوکت اور چودھراہٹ ہوا ہو کر رہ گئیں۔ اور جنہوں نے دین حق سے عداوت کی پاداش میں ان کی ناقابل شکست قوت اور ناقابل تسخیر حکومتوں کو پیوند خاک کر ڈالا تھا ـــــ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بعد خلافت کے لئے حضرت عمرؓ کو نامزد کیا۔ حضرت عمرؓ نے بحالت زخمی چھ افراد پر مشتمل انتخابی کمیٹی مقرر کی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ خلیفہ منتخب ہوتے، نیز حضرت عمرؓ ہی نے ۱۸ھ میں حضرت معاویہؓ کو شام کا گورنر بنایا، حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں اسی اہم ترین عہدے پر برقرار رکھا۔ اور بالآخر حضرت علیؓ کے دور کی خانہ جنگیوں اور اپنی ہی سیاسی پارٹی کے ہاتھوں شہادت اور پھر حضرت حسنؓ کی سپردگی خلافت کے بعد سیدنا معاویہؓ پوری اسلامی ریاست کے متفق علیہ خلیفہ ہوتے، حضرت معاویہؓ نے امت کی بھلائی اور اجتماعیت کی خاطر اکابر صحابہؓ کے مشوروں اور رائے عامہ سے استصواب کے بعد اپنے ہر دلعزیز صاحبزادے سیدنا یزیدؒ کو نامزد کیا۔ جو نامزدگی کے تقریباً دس برس بعد ۲۲ رجب ۶۰ ہجری کو اپنے والد بزرگوار حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد مسند آرائے خلافت ہوتے، تو گویا حضرت صدیق اکبرؓ سے لیکر سیدنا معاویہؓ اور سیدنا یزیدؒ تک ایسا تسلسل ہے، جس کی کسی ایک کڑی پر حرف گیری ونکتہ چینی، پورے سلسلہ پر نکیر کے مترادف ہے۔ درحقیقت جو لوگ حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند حضرت یزیدؒ پر لعن و طعن، سب وشتم اور تبرا روا سمجھتے ہیں وہ ان عجمی سازشوں کے فراہم کردہ تیر برسانے

میں مصروف ہیں، جن کا اصل مقصد اس آڑ کے ذریعہ حضرات خلفائے راشدین ثلاثہ اور دیگر فاتحین صحابہؓ کو ہدف بنانا ہے ــــــ یہی وجہ ہے کہ علمائے محققین نے منافقین عجم کے گھڑے ہوئے ان تبرّا انگیز روایاتی سہاروں کو چھان پھٹک کر ان کا وضعی، من گھڑت اور سفید جھوٹ ہونا پوری شدت و قوت سے بیان فرمایا ہے ــــــ علامہ ملا علی قاری حنفی کی عبارت اوپر گذر چکی ہے جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ نیز دیگر بنو امیہ کی مذمت پر مشتمل تمام روایات کو من گھڑت قرار دیا ہے۔

اسی سلسلہ میں حافظ علامہ ابن کثیرؒ کی تحقیق ملاحظہ ہو:-

وقد اورد ابن عساکر احادیث فی ذم یزید بن معاویۃ
کلھا موضوعۃ لا یصح شئ منھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۱)

• مؤرخ ابن عساکر نے امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی مذمت کے سلسلہ میں جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ تمام من گھڑت ہیں ان میں ایک بھی صحیح نہیں۔

مناسب ہے کہ اختصار کے ساتھ حضرات معاویہؓ و یزیدؒ کے بعض ان کارناموں کی نشاندہی کر دی جائے جن کے بار احسان سے اسلامی دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اور وہی کارنامے روایات ساز عجمی منافقین کے لئے ان ہر دو محسنین اسلام سے کینہ گی و عداوت کا سبب ہیں۔

فاتح مدائن و ایران سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے بعد عجمی و رومی مفسدین کو توقع تھی کہ اس ناقابل تدارک نقصان کے بعد مسلمان قوم کی تسخیری جادہ پیمائی رک جائے گی۔ لیکن سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے اسلامی خدمات و فتوحات کے تسلسل کو برقرار رکھا۔ چنانچہ آپ ہی کے عہد خلافت میں فتح ایران کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا۔ اور

"مجوسی ایران" کے تاجدار "یزدگرد" کی ہلاکت پر حضور صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ ــــــ اس لئے بہ نیت انتقام نو مسلم مجوسیوں نے عرب معاشرے کے بعض افراد کے سہارے شورش اٹھائی اور آپ کو مظلومانہ شہید کر کے اسلامی خلافت کو مجوسی حکومت میں بدل ڈالنے کا پروگرام مرتب کیا۔ لیکن سیدنا معاویہؓ کے عزم و ہمت، استقلال و تدبر اور بر وقت مدافعت نے ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا ــــــ دوسری طرف اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں سیدنا یزیدؒ نے قسطنطنیہ جیسے اہم رومی علاقے پر پہلی بار جہاد کر کے نہ صرف یہ کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کی زبان مبارک سے بشمول جملہ شرکائے لشکر "بشارت مغفرت" حاصل کی، بلکہ رومی عیسائیوں پر وہ ضرب کاری لگائی جس کی دہل آج بھی عیسائی دنیا میں محسوس کی جا سکتی ہے ــــــ عجمی ارادوں میں ناکامی اور رومی شرارتوں کے خلاف یہ نتیجہ خیز جہادی سرگرمیاں ہی حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؒ کے خلاف اس پروپیگنڈے کا اصل سبب ہیں، جسے عجمی ذہن و قلم کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں جمع کردہ تاریخی روایات کے انبار در انبار ملبے میں نمایاں حیثیت حاصل ہے ــــــ ان حالات میں امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ اور امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کے شخصیات اور ان کی اسلامی فتوحات و خدمات سے بھرے عہد خلافت کے متعلق جس قدر بھی غلط بیانی و ناانصافی سے کام لیا گیا ہو وہ کم ہے۔ تاہم امیر المؤمنین یزیدؒ کے خلاف گھڑی گئیں روایات اور ان کے خلاف عائد کردہ جھوٹے الزامات کی مسلسل و منظم تشہیر کے باوجود افترائی و تبرائی ڈھول سے اٹی ہوئی تاریخی فضا نے ان کے حق میں "ہمعصر اُمت" کی ان شہادتوں کو بھی محفوظ رکھا ہے جو آج تک سبائی منافقین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں ــــــ

بوئے گل قید و حراست میں نہیں رک سکتی
باغباں لاکھ اٹھایا کریں دیوار چمن

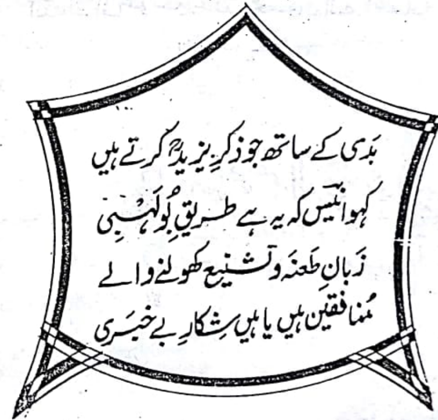
شیخ الصحابہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا طرز عمل اور فرمان ـــــ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی گواہی ـــ فرزند علیؓ حضرت محمد بن حنفیہؒ کا مکالمہ ـــ برادر حسینؓ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کا اپنی دختر ام محمدؒ کو امیر یزیدؒ کے عقد میں دینا ـــ فرزند حسین حضرت علی اصغرؒ یعنی زین العابدین کا " وصل اللہ امیر المؤمنین یزید " کہہ کر دعائے خیر سے یاد کرنا ـــــ جہاد قسطنطنیہ کے موقعہ پر بزرگ صحابی حضرت ابو ایوب انصاریؓ سمیت بکثرت صحابہ کرامؓ اور اکابر امت کا شریک مہم ہو کر امیر لشکر، سیدنا یزیدؒ کی قائدانہ صلاحیت اور ہر دلعزیزی پر عملاً مہر تصدیق ثبت کرنا وغیرہ ایسے تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا ـــــ نیز استصواب رائے عامہ کے بعد قائم شدہ آپ کی ولی عہدی اور پھر خلافت پر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ تمام ہی ہمعصر صحابہؓ و تابعینؒ کا اجماع اس بات کا منہ بولتا، ناقابل انکار ثبوت ہے کہ سیدنا یزیدؒ اپنے ہمعصر اکابر و اماغر کی نگاہ میں قیادت و خلافت کے جائز مستحق تھے ـــــ سبائی منافقوں نے آپ کو بدنام کرنے کے لئے جن واہی تباہی روایات کے ڈھیر لگائے ہیں وہ سبائیت زدہ مسموم ذہنوں کے لئے جاذبیت رکھ سکتے ہیں، لیکن جن صاحبانِ علم و انصاف کے نزدیک ہمعصر صحابہؓ اور اکابر امت کا طرز عمل اور فیصلہ حق و صداقت کی پرکھ کا حقیقی معیار ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مشاہدات اور ذاتی تجربات کے مقابلے میں بعد والوں کی سُنی سُنائی باتیں دروغ بافی اور افترائے محض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ان تمہیدی کلمات کے ساتھ ہم " حیات سیدنا یزیدؒ " پر تفصیلی گذارشات

نقوشِ زندگی

- نام ونسب
- والد
- والدہ
- ولادت
- پرورش
- تعلیم وتربیت
- روایتِ حدیث
- خطابت
- فاروقی نقشِ قدم
- یتیموں سے ہمدردی
- حلم وکرم
- سخاوت





نام و نسب آپ کا نام یزید ـــــ کنیت ابو خالد ـــــ والد کا نام سیدنا معاویہؓ ـــــ اور والدہ کا نام سیدہ میسونؒ ہے ـــــ آپ کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں عبد مناف پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم سے مل جاتا ہے ـــــ آپ کی پھوپھی سیدہ اُم حبیبہؓ کو اُم المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم آپ کے حقیقی پھوپھا ہوتے ہیں۔

والد سیدنا یزیدؒ کے والد ماجد، سیدنا معاویہؓ دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر اور باعظمت ہستیوں میں ہیں جن کے احسانات و خدمات سے مسلمان قوم کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ آپ اکابر صحابہ کی صف میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اظہارِ اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے دربار میں مسلسل حاضری اور کتابتِ وحی جیسے اہم فرض کی انجام دہی ـــــ برادر نسبتی جیسا قریب و عزیز ترین رشتہ ـــــ جہاد فی سبیل اللہ میں انتھک کوشش ـــــ لسانِ نبوی سے خوشنودیٔ الٰہی اور حصولِ جنت کی عظیم تر بشارات ـــــ حضرات خلفائے راشدین، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اپنی قائدانہ و مدبرانہ صلاحیت سے اشاعتِ اسلام اور تسخیر و فتوحات میں نمایاں کردار ـــــ تاریخ ابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۷ کی روایت کے مطابق ختم نبوت کے اولین باغی، مسیلمہ کذّاب کا قتل ـــــ تاریخِ اسلام میں سب سے پہلے بحری

بیڑے کی تیاری ـــــ رُومی، عیسائی حکومت کے خطرے سے عالم اسلام کی سرحدوں
کی حفاظت ـــــ قبرص، روڈس، صقلیہ اور سوڈان جیسے اہم ممالک کی فتوحات
ـــــ سالہاسال کی خانہ جنگی اور اندرونی خلفشار کے بعد پورے عالم اسلام
کو ایک جھنڈے تلے اکٹھا کر کے ایک طرف اہل اسلام کو فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا
کی مضبوط اور ناقابل شکست ڈوری میں پرونا، اور دوسری جانب مسلمانوں
کے باہمی انتشار سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ کائنات سے کھرچ
پھینکنے کا منصوبہ بنانے والی قوموں کے مقاصد اور ارادوں کو پیوند خاک
کرنا، غرضیکہ یہ اور ان جیسے بے شمار شرف سیدنا معاویہؓ کو حاصل ہیں۔
جلیل القدر صحابی، خلافت راشدہ کے عظیم مدبر و باصلاحیت جرنیل اور بیس
برس کے لگ بھگ حجازِ مقدس سے افریقہ، اور بحر روم سے بحر اوقیانوس تک
پھیلی ہوئی اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہردلعزیز خلیفۂ راشد حضرت
معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہی ہیں جن کے لئے رسول برحق صلی اللہ علیہ
و اصحابہ وسلم نے ہادی و مہدی ہونے کی دعا فرمائی۔ جنہیں وحی ربانی
سے آپؐ نے خلافت کی نوید اور جنت و مغفرت کی بشارت سنائی۔

حضرت عبدالرحمنؓ بن عمیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و اصحابہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے حق میں فرمایا کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ (ترمذی ص ۲۲۵ ج ۲)

"اے اللہ! معاویہ کو ہادی و مہدی بنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت
کی توفیق عنایت فرما۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ ارشاد نبویؐ نقل فرماتے ہیں کہ:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَمَكِّنْ لَهٗ فِي الْبِلَادِ وَقِهِ الْعَذَابَ

جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ، حضرت قطنؓ بن زائدہ اور حضرت وائلؓ بن حجر وغیرہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں ــــــ بنو کلب کی دو خواتین یعنی حضرت دحیہ کلبیؓ کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ اور ان کی بھانجی خولہ بنت ہذیل کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے نکاح کیا، لیکن رخصتی سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا ــــــ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے بھی بنو کلب کی خواتین سے نکاح کئے ــــــ سیدنا حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ سکینہؒ، رُباب بنت امرؤالقیس نامی اسی قبیلہ کی ایک خاتون کے بطن سے تھیں۔ حضرت حسین کو اپنی ان کلبیہ بیوی اور بیٹی کے ساتھ بے حد محبت تھی، جس کا اظہار آپ نے ذیل کے ان اشعار میں کیا ہے ؎

لعمرک اننی لاحب دارًا ❖ تحل بہا سکینۃ والرباب

"تیری جوانی کی قسم، میں اس گھر سے محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب رہتی ہیں۔"

احبہما وابذل جل مالی ❖ ولیس للائمی فیہا عتاب

میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اور ان پہ اپنا مال لٹاتا ہوں، اور اس میں کسی ملامت گر کو عتاب کا حق نہیں۔"

ولست لہم وان عتبوا مطیعًا ❖ حیاتی او یعلینی التراب

"میں عتاب کرنے والوں کی بات زندگی بھر نہیں مان سکتا، حتی کہ قبر کی مٹی مجھے ڈھانپ لے۔"

(البدایہ والنہایہ ص ۲۰۹ ج ۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم، اکابر صحابہ اور دیگر قریشی بزرگوں

کا بنو کلب کی خواتین کو ازدواجی رشتے کے لئے پسند کرنا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کی نگاہوں میں یہ قبیلہ معزز تھا ــــــ چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے، جب آپ بعہد فاروقی شام کے گورنر تھے اسی قبیلہ، بنو کلب کے ایک سردار مخول بن انیف کلبی کی صاحبزادی سیدہ میسونؒ سے عقد کیا ــــــ سیدہ میسونؒ نہ صرف حسن و خوبصورتی اور عقل و دانش ــــــ بلکہ دینداری و اعلیٰ سیرت میں ممتاز حیثیت کی حامل تھیں۔

علامہ ابن کثیرؒ دمشقی فرماتے ہیں:

وکانت حازمۃ عظیمۃ الشان جمالًا وریاسۃ وعقلًا ودینًا

(البدایہ والنہایہ ص ۱۴۵ ج ۸)

"سیدہ میسونؒ ــــــ بڑی ہی محتاط ــــــ حُسن و صورت، ریاست و سرداری، عقل و فراست اور دینداری میں بلند درجہ رکھتی تھیں۔"

امیر یزیدؒ کی والدہ حضرت میسونؒ کے متعلق مندرجہ بالا ریمارک کے بعد، علامہ ابن کثیر ان کی دینداری اور شرعی احکام پر پابندی کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی نقل کرتے ہیں:

"ایک دن سیدنا معاویہؓ، سیدہ میسونؒ کے پاس گئے تو ان کے ساتھ ایک زنخا بھی چلا آیا ــــــ سیدہ میسونؒ نے اس سے پردہ کیا اور حضرت معاویہؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ یہ کون شخص ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آسکتی ہو ــــــ اس پر حضرت میسونؒ نے کہا، زنخا ہونے سے جو اللہ نے حرام کیا ہے وہ حلال نہیں ہوسکتا، چنانچہ انہوں نے اس سے پردہ کیا۔" (البدایہ والنہایہ ص ۱۴۵ ج ۸)

ولادت | قبیلہ بنو کلب کی ان نیک طبیعت اور صالح کردار خاتون، سیدہ میسون رحؒ کے بطن سے ابن کثیر رحؒ (ج ۸ ص ۱۲۵) کی بیان کردہ روایت کے مطابق ۲۲ سنہ ہجری میں سیدنا معاویہؓ کے یہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی، اس وقت سیدنا معاویہؓ، امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقِ اعظمؓ کی طرف سے شام کے گورنر تھے ــــــ سیدنا معاویہؓ نے نومولود بچہ کا نام اپنے مرحوم بڑے بھائی فاتح شام سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے نام پر "یزید" رکھا۔

علامہ ابن کثیر رحؒ لکھتے ہیں:۔

فتزوجہا معاویۃ فولدت لہ یزید ابن معاویۃ فجاءَ نجیبًا ذکیًا حاذِقًا (البدایۃ والنہایہ ص ۸۰ ج ۸)

"سیدنا معاویہؓ نے حضرت میسون رحؒ سے شادی کی۔ ان سے یزید بن معاویہؓ پیدا ہوئے جو (پیدائشی طور پر) نیک طبع اور از حد ذہین و تیز فہم تھے۔"

پرورش | امیر یزید رحؒ کی ولادت سے پہلے اُن کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا، خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ ان کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا، جو امارت و سیادت اور اولوالعزمی کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کرے گا۔

(البدایہ والنہایہ ص ۲۲۷ ج ۸)

چنانچہ جب آپ کی پیدائش ہوئی تو پیشانی پر ذہانت و فطانت، شرافت و ہونہاری کے آثار۔ والدہ کے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر اور خوش آئند و روشن مستقبل کا پتہ دے رہے تھے ــــــ اور چونکہ آپ نے ایک شریف اور نیک بی بی کی گود میں آنکھ کھولی اور سیدنا معاویہؓ جیسے غیر معمولی خصائص و کمالات کے حامل، نیک خصال، صحابیٔ رسولﷺ کی آغوش پدری میں تربیت پائی،

اس لئے والدین نے آپ کی تربیت و پرورش پر خصوصی توجہ دی، سپہ گری، شہسواری، تیراندازی، شمشیرزنی، خطابت اور نسب دانی وغیرہ ان تمام علوم و فنون سے آراستہ کیا جو عربوں میں حسن و خوبی کا اعلیٰ معیار شمار کئے جاتے تھے ــــــ ان کے علاوہ شجاعت و سخاوت، حِلم و متانت، آداب و اخلاق، تدبّر و سیاست اور اصابتِ رائے جیسے اوصاف جو آپ کے والد سیدنا معاویہؓ میں بدرجۂ کمال موجود تھے وہ نہ صرف الولد سِرّ لأبیہ کے فطری ضابطہ سے فیاضِ حقیقی نے آپ کو عطا کئے ــــــ بلکہ السید الکریم حضرت معاویہؓ کی مشفقانہ و مربیانہ توجہ نے انہیں اتنا نکھار دیا کہ ہزار کوششوں کے باوجود، سیدنا یزید رحؒ کے دشمن انہیں مٹا نہ سکے ؎

بوئے گل قید و حراست میں نہیں رُک سکتی
باغباں لاکھ اٹھایا کریں دیوارِ چمن

علامہ ابن کثیر رحؒ لکھتے ہیں:۔

وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرأی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ۔

(البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۰ ج ۸)

"امیر یزید رحؒ میں حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری جیسی قابلِ تعریف صفات موجود تھیں ــ آپ معاملات حکومت میں اچھی رائے رکھتے تھے نیز آپ خوبصورت اور اچھے کردار کے مالک تھے۔"

تعلیم و تربیت | سیدنا یزید رحؒ کی طالب علمی کے زمانہ میں علوم و فنون کی درسی کتابوں کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ

دور کے کسی شخص کے عالم و فاضل ہونے کے لئے، موجودہ زمانہ جیسے لگے بندھے
تعلیمی کورس یا خودساختہ قسم کے درسِ نظامی کا سند یافتہ ہونا کوئی معنی نہیں
رکھتا ـــــ یہ لگے بندھے تعلیمی نظام تو اس وقت کی پیداوار ہیں جب سرچشمۂ
علم و فضل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم سے براہ راست علم و
کمال حاصل کرنے والے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گزرے
صدیوں کا طویل زمانہ ہو چکا تھا۔ آفتابِ رسالتؐ اور مصابیحِ صحابیتؓ سر
بہت بعد میں آنے والے طالبانِ علم کے لئے ان مروجہ تعلیمی سلسلوں کی افادیت
بجا۔ لیکن "قرنِ اول" کے اُن خوش قسمت انسانوں کو ان بیڑیوں کا کیسے پابند
کیا جا سکتا ہے، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے مقدس و محترم
[illegible] سے بلا واسطہ فیضیاب ہونے کا شرف حاصل ہوا ہو ـــــ
سیدنا یزیدؒ بھی انہیں نیک بخت اور خوش نصیبوں میں ہیں۔ آپؒ نہ صرف یہ کہ
صاحبِ علم و فضل سیدنا معاویہؓ کے بیٹے ہیں جن کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم
نے "اللّٰھم علمہ الکتاب والحساب" کہہ کر حصولِ علم کی دعائیں دی تھیں
نیز صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۳۱ کی روایت کے مطابق، سیدنا عبداللہ
ابن عباسؓ نے اِنّہٗ فقیہ کہہ کر جن کے علمی کمال اور دینی تفقہ کی گواہی دی
بلکہ اس وقت بکثرت صحابۂ کرامؓ موجود تھے، جو حجۃ الوداع کے موقع پر نبیٔ
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دئے ہوئے حکم فلیبلّغ الشاھد الغائب کی تعمیل
میں، لاکھوں میل میں پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کے چپے چپے پر دینِ حق کی تبلیغ
واشاعت میں مصروف تھے۔ خوش قسمت تابعین ان شاگردانِ رسالت مآبؐ کی مصاحبت و رفاقت میں رہ کر اور ان کی مجالس و محافل میں حاضری
دے کر خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے لائے ہوئے [illegible]

مکمل دین کی تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے ـــــ قرنِ اول کے یہی تعلیمی حلقے
اور دینی تربیت گاہیں تھیں جن کے ذریعہ دوسرے بے شمار ہم عصر تابعین کی
طرح سیدنا یزیدؒ نے بھی فیض حاصل کیا۔

سیدنا یزیدؒ کے تعلیمی عہد کی تفصیلات کے سلسلہ میں اگرچہ کتبِ تاریخ
عموماً خاموش ہیں، تاہم تاریخ کے نام پر اکھٹا کردہ ان ہی روایاتی انبار میں
دبے، چھپے ہوئے بعض ایسے قرائن، بلکہ ناقابل انکار تاریخی حقائق بھی ملتے ہیں،
جن پر گروہی و طبقاتی تعصّب و تصلّب کی گرد سے اٹی ہوئی عینک اتار کر
غور و خوض کیا جائے تو حضرت یزیدؒ کے علمی کمالات کا اندازہ بہ آسانی لگایا
جا سکتا ہے۔

اوّل ـــــ سیدنا معاویہؓ قریش کے لکھے پڑھے، صاحبانِ علم و
فضل میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے، نیز انہیں فہم و تدبیر اور مکارم اخلاق میں
بھی بلند مقام حاصل تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ذہین و فطین اور ہونہار
بیٹے کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے عسکری و انتظامی
جیسے اہم اور ضروری علوم و فنون کے ساتھ، نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ
وسلم سے حاصل شدہ دینی معارف و ارشادات گرامی سکھانے پر ہی اکتفا نہ
کیا ـــ بلکہ امیر یزیدؒ کی اخلاقی و عملی تربیت اور دیکھ بھال پر بھرپور توجہ دی۔
لڑکپن کی معمولی، معمولی غلطیوں اور کوتاہیوں پر انہیں ڈانٹتے اور نبی برحق صلی
اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے فرامین مبارکہ سنا کر اصلاح فرماتے۔ علامہ ابن کثیرؒ
کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھا تو سیدنا معاویہؓ نے فوراً
تنبیہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی یہ حدیث اپنے بیٹے یزیدؒ
کو سنائی، جس میں کسی ایسے ہی موقعہ پر آپؐ نے حضرت ابومسعودؓ سے فرمایا تھا:

اعلم ان اللہ اقدر علیک منک علیہ

"خبردار! اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھے اس خادم پر حاصل ہے" ارشادِ نبوی سنا کر بیٹے سے فرمایا کہ :-

"تیرا برا ہو! کیا تو ایسے شخص کو مارتا ہے، جو تیرے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا؟ ـــــ قسم بخدا جن میں بدلہ و انتقام لینے کی قدرت نہ ہو انہیں معاف کر دینا اور ان کی غلطیوں پر چشم پوشی کر لینا ہی بہتر و مناسب ہے"

(البدایۃ والنہایہ ص ۲۲۷ ج ۸)

ثانیاً ـــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات خلفائے راشدین سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ، سیدنا عمر فاروق رضؓ اور سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضؓ کے عہد میں مدینہ منورہ مسلمانوں کا دار الخلافہ تھا ـــــ سیدنا عثمان غنی رضؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد عجمی مفسدین و سبائی قاتلین کے زور پر قائم شدہ حکمرانی کے شروع ہی میں سیدنا علی رضؓ نے مجبوری یا در پیش سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے دار الہجرت کو چھوڑ کر عراق کے مشہور شہر کوفہ کو اپنا دار الحکومت قرار دے لیا، جس کے نتیجہ میں مدینہ منورہ کی مرکزی حیثیت کو ایسا شدید، ناقابلِ تلافی دھچکا پہنچا کہ اس کے بعد آج تک مدینۃ الرسول کی اولین پوزیشن بحال نہ ہو سکی ـــــ

ـــــ رمضان ۴۰ھ ہجری میں سیدنا علی رضؓ اپنی ہی سیاسی پارٹی کے ایک اہم اور معتمد ترین رکن عبدالرحمن بن ملجم کے ہاتھوں اسی عجمی دار الحکومت کوفہ میں شہید ہو گئے ـــــ حضرت علی رضؓ کی افسوسناک شہادت کے تقریباً چھ ماہ بعد، عجمی مفسدین اور سبائی ملحدین کی پیدا کردہ پیچیدگیوں اور الجھنوں میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی بحالی و استحکام کے پیشِ نظر سیدنا حسن رحؓ نے

اپنے زیرِ تصرف علاقوں کی حکمرانی سے دست بردار ہو کر سیدنا معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر امامت و خلافت کی بیعت کر لی۔ اس طرح ۲۱ ربیع الاول ۴۱ھ ہجری سے شام کے مشہور شہر دمشق کو متفقہ دار الخلافہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔

اگرچہ شام جیسے اہم اسلامی صوبہ اور اس کے صوبائی دار الامارۃ دمشق میں اکابر صحابہ رضؓ پہلے بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ دمشق کا تاریخی شہر اسلامی خلافت کا مرکزی و وفاقی دار الخلافہ بن گیا، تو پیشتر ازیں مستقل سکونت رکھنے والے صحابہ کرام رضؓ کے علاوہ ہر ہر علاقے سے اکابر صحابہ رضؓ اور دیگر اساطینِ علم و فضل کی آمد و رفت کا وسیع سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت سیدنا یزید رحؒ کی عمر انیس بیس برس کی تھی۔

سیدنا ابو ایوب انصاری رضؓ، سیدنا عمرو رضؓ بن العاص، سیدنا مغیرہ رضؓ بن شعبہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرو رضؓ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر رضؓ، سیدنا عقیل رضؓ بن عبد مناف وغیرہ بے شمار حضرات صحابہ رضؓ حجاز اور دوسرے علاقوں سے دمشق تشریف لاتے۔ عموماً ان کا قیام امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضؓ کے یہاں رہتا۔ اس لئے سیدنا یزید رحؒ کو ان اصحاب رسول ﷺ کی خدمت کرنے اور ان کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہونے کے بیش قیمت مواقع میسر رہتے تھے ـــــ ایامِ طالب علمی میں سیدنا یزید رحؒ جیسے فہیم و ذکی، نوجوان طالب علم کے لئے صحابہ کرام رضؓ کا یوں دور و نزدیک سے ان کے یہاں آ کر مقیم رہنا، اور پھر سیدنا یزید رحؒ کا ان حضرات کی محافل و مجالس میں مسلسل حاضر رہ کر ان کے دینی مذاکرات سے شاد کام ہونا۔ سعید بن سعید، سیدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کے "دستارِ سعادت" کا وہ درخشندہ ہیرہ ہے، جس کی لازوال اور چمکدار شعاعیں ـــــ رہتی دنیا

تک ـــــ ان کی عظمتوں اور سعادتوں کا پتہ دیتی رہیں گی۔ ولکن المنافقین لا یفقہون ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ثالث ـــــ سیدنا معاویہؓ کے علاوہ جن حضرات سے امیر یزیدؒ نے علم حاصل کیا ان میں حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانیؓ بھی ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے صحابی اور بڑے پائے کے عالم تھے۔ علم الانساب کے ماہر ہونے کی وجہ سے انہیں عموماً دغفل النسابہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

لَہٗ صُحبۃٌ وقال نوح بن حبیب القرمسی فیمن نزل البصرۃ من الصحابۃ دغفل النسابۃ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۵)

"انہیں صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ نوح بن حبیب القرمسی نے کہا بصرہ میں مقیم صحابہ کرام میں دغفل النسابہؓ بھی شامل ہیں"

حضرت دغفلؓ بصرے سے دمشق تشریف لائے تو سیدنا معاویہؓ نے ان کو علمی کمالات کی وجہ سے انہیں دمشق ہی میں روک لیا، تاکہ امیر یزیدؒ کے پاس رہ کر انہیں اپنے علم و فضل سے مستفیض فرمائیں۔ (الاصابہ)

اس طرح ان عالم، فاضل، نسابہ اور صحابیٔ رسولؐ کی شاگردی و تربیت سے سیدنا یزیدؒ کو بھرپور استفادے کا موقع ملا۔

رابع ـــــ دمشق میں مستقل سکونت رکھنے والے صحابہ کرامؓ میں سے سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہؓ بھی ہیں، جنہوں نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت ہی میں مدینہ منورہ سے آکر دمشق میں رہائش اختیار فرمائی تھی

خامس ۵ ـــــ ۴۹ھ ہجری، سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے عہد میں، رُوم کے مشہور شہر قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کے دوران دیگر کبار و صغار صحابہ کرامؓ کے علاوہ اسیؔ ۸۰ سالہ ضعیف العمر صحابی، میزبان رسول، سیدنا ابوایوب انصاریؓ بھی لشکر میں شریک تھے۔ رومی دارالحکومت قسطنطنیہ پر پہلی مرتبہ حملہ کرنے والا یہی وہ اسلامی لشکر ہے جس کے تمام شرکاء کو نبیٔ صادق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے مغفرت یافتہ قرار دیا تھا ـــــ یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس جنّتی اور بخشے ہوئے لشکر کی امارت کے فرائض امیرالمؤمنین سیدنا معاویہؓ کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ نے انجام دیئے، اس لئے لامحالہ انہیں لشکر میں شریک دوسرے تمام صحابہ و اکابر بالخصوص سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے ساتھ کئی مہینے رفاقت و معیّت حاصل رہی۔ اس دوران آپ نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ کارکردگی کے ساتھ امیرِ لشکر کے فرائض انجام دئے بلکہ سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے حضور اس درجہ قرب و اعتماد حاصل کر لیا کہ جب اسی جہاد میں انکا وصال ہونے لگا تو انہوں نے اپنے معاملات کا وصی سیدنا یزیدؒ ہی کو مقرر کیا۔

وکان فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصیٰ و هو الذی صلّٰی علیہ۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۵۸)

"وہ (یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ) امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے آپ نے اپنے معاملات کی وصیت بھی انہی کو کی اور انہوں نے ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔"

جہادِ قسطنطنیہ اور بشارتِ مغفرت کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو تو آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف، مشتے از خروارے، یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

"بنو حرب (یعنی حضرت یزیدؒ کے دادا کی اولاد) اٹھ جائے تو لوگوں کے علماء اٹھ جائیں گے"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے ہاشمی بزرگ کے یہ کلماتِ تحسین، سیدنا یزیدؒ کی علمی قابلیت کا ناقابلِ انکار اعتراف ہی نہیں۔ بلکہ ان کے ہمعصر اہلِ علم و فضل حضرات کی وہ نمائندہ شہادت بھی ہے، جس کے سامنے بعد میں آنے والوں کی تمام واہی، تباہی باتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

روایتِ حدیث | سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں :۔

خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (بخاری ص ۳۶۲ ج ۱ و مسلم ص ۳۰۹ ج ۲)

"سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں۔ پھر ان کے بعد والے، اور پھر ان کے بعد والے"

زُرارہ بن اَوفیٰ کہتے ہیں :۔

القرن عشرون ومائة سنة فبعث رسول الله صلعم في قرن وكان آخره موت يزيد بن معاوية

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۹۰، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۹)

"قرن ۔ ایک سو بیس برس کا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم جس قرن میں مبعوث ہوئے وہ امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی وفات پر پورا ہوتا ہے"

علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے :۔

وقد ذكره ابو زرعة الدمشقي في الطبقة التي تلي الصحابة وهي العليا وقال له احاديث ۔

(البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۲۷)

"حضرت ابو زرعہ دمشقیؒ نے امیر یزیدؒ کا تذکرہ (راویانِ حدیث کے) اس طبقہ میں کیا ہے، جو حضرات صحابہؓ سے متصل ہی آتے ہیں۔ یہ ایک بلند مقام ہے۔ انہوں نے کہا کہ امیر یزیدؒ سے بہت سی احادیث بھی مروی ہیں۔"

علامہ قاضی ابو بکر ابن العربیؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

وهذا احمد بن حنبل ___ على تقشفه وعظيم منزلته في الدين وورعه ___ قد ادخل عن يزيد بن معاوية في كتاب الزهد ___ وهذا يدل على عظيم منزلته عنده حتى يدخله في جملة الزهاد من الصحابة والتابعين الذين يقتدى بقولهم ويرعوي من وعظهم ۔ ونعم ۔ وما ادخله الا في جملة الصحابة ۔ قبل ان يخرج الى ذكر التابعين ۔ (العواصم من القواصم ص ۲۳۲ و ۲۳۳)

"اور یہ امام احمد بن حنبلؒ ہیں ۔ ان کا دین اور پرہیزگاری میں بڑا بلند مقام ہے اور حدیث قبول کرنے میں بڑی تنقید کرتے ہیں ۔ انہوں نے اپنی کتاب "الزہد" میں یزیدؒ بن معاویہؓ کی روایت نقل کی ہے ___ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزیدؒ کا مقام، امام احمد بن حنبلؒ کی نگاہ میں بہت بلند تھا، یہاں تک کہ انہیں کو آپ نے ان زاہد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے۔ جن کے وعظ سے گناہ چھوڑتے ہیں ___

ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ امام احمدؒ نے یزیدؒ کو صحابہ میں درج کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا تذکرہ کیا ہے۔"

العواصم من القواصم اردو ص۳۱۲)

معلوم ہوا کہ سیدنا یزیدؒ صاحب روایت تابعی ہی نہیں، جنہیں محدثین اور اکابر امت نے صحابہ کرامؓ کے متصل طبقہ میں — دوسرے تمام تابعین سے مقدم ذکر کیا ہے۔ بلکہ آپ کا شمار قرنِ اول کے ان باعظمت بزرگوں میں ہے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنی امت کا بہترین حصہ ارشاد فرمایا ہے۔

سیدنا یزیدؒ اپنے والد سیدنا معاویہؓ کی سند سے روایت کرتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔"

نیز سیدنا یزیدؒ — حضرت ابوایوب انصاریؓ کی سند سے جناب رسول مکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کا ارشاد مبارک روایت کرتے ہیں:

من مات لایشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ۔

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۵۹ و طبقات ابن سعد ص)

"جو شخص اس حال میں فوت ہوگا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ تو اسے اللہ جنت میں داخل کرے گا۔"

سیدنا یزیدؒ نے اپنے والد بزرگوار سیدنا معاویہؓ، میزبان رسولؐ سیدنا ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے کئی صحابہ کرامؓ سے احادیث کا سرسری علم حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا — بلکہ طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ گہری نظر اور

انہماک کے ساتھ ارشادات نبویہ کا مطالعہ فرماتے تھے، جس کے نتیجہ میں آپ کو علم حدیث میں غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ ابن کثیرؒ نے آپ کی ایام طالب علمی کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

"امیرالمؤمنین سیدنا معاویہؓ نے اپنے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ سے فرمایا کہ اپنی ضرورت کا مجھ سے سوال کرو — اس پر امیر یزیدؒ نے کہا کہ مجھے آگ سے بچا لیجئے اللہ آپ کو اس سے محفوظ رکھے۔ حضرت معاویہؓ نے معلوم کیا وہ کیونکر؟ — امیر یزیدؒ نے جواباً کہا کہ میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس شخص کو امت کا امرِ خلافت تین روز کے لئے بھی سپرد کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام فرما دیں گے۔" (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۷)

خطابت خطابت قریش کا طرۂ امتیاز تھا، جسے وہ اپنے علاوہ باقی دوسری قوموں کے مقابلہ میں فخریہ پیش کیا کرتے تھے۔ اسی خطابت اور اظہارِ بیان کی اعلیٰ صلاحیت ومہارت کی وجہ سے وہ اپنے سوا دوسروں کو "عجمی" یعنی گونگے کہا کرتے تھے — یوں تو عربوں میں بے شمار خطیب ہوئے، جن کے حالات اور فنی کارنامے عربی ادب وتاریخ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن امیرالمؤمنین سیدنا معاویہؓ اور ان کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ "خطبائے اسلام" کی صف میں سب سے اول شمار کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ مشہور تابعی بزرگ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں:۔

خطباء الناس فی الاسلام معاویۃ وابنہ وسعید ابن العاص وابنہ وعبداللہ بن الزبیر۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۱ و ۲۳۵)

"اسلام میں سب سے بڑے خطباء یہ ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے۔ حضرت سعیدؓ بن العاص اور ان کے بیٹے۔ نیز حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ

مشہور شیعہ عالم، علامہ ابن ابی الحدید، شارح نہج البلاغہ لکھتے ہیں:۔

کان یزید بن معاویۃ خطیباً، شاعراً، وکان اعرابی اللسان بدوی اللہجۃ۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۸۲۴)

"یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھے، ان کی زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا"۔

عربی ادب اور عربی فن خطابت کے رموز شناس اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ "اعرابی اللسان اور بدوی اللہجۃ" دو ایسے اوصاف ہیں جنہیں عربی زبان کی چاشنی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس عربی خطیب میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے، اسے مغنی اور گویا تو کہا جا سکتا ہے، خطیب نہیں۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

چونکہ حضرت معاویہؓ جیسے اعلیٰ درجہ کے خطیب، صاحب علم وفضل صحابی، اور عہد نبوی کے ممتاز کاتب قرآن ——— سیدنا یزیدؒ کے والد تھے۔ جن کی تربیت میں آپ نے قرآن وسنت کا علم سیکھا، اور جن کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہ کر آپ نے خطیبانہ کمال حاصل کیا، اس لئے آپ کی خطابت .... نہ صرف یہ کہ، خطیبانہ کمال کی حامل تھی، بلکہ زہد وتقویٰ اور نیکی وفکر آخرت کا وہ رنگ بھی لئے ہوئے تھی جو قرن اول کے عابد وزاہد تابعی ——— اور اصحاب رسولؐ سے فیض یافتہ شاگرد کی شان سے مطابقت رکھتی ہے ——— اگرچہ کتب تاریخ میں آپ کی زندگی کے اس پہلو پر بھی بڑی بے رحمی وستم ظریفی روا رکھی گئی، تاہم اغیار واشرار کی دستبرد

رکھنے والوں کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتی اور نہ ہی ان سے راضی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝

(الکہف: پ۱۵)

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان کیجیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو، پھر اس کے ذریعہ زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہو۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوائیں اسے اڑائے پھریں اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت والا ہے:

ہم اپنے رب، معبود، خالق و پروردگار سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو قیامت کے دن پریشانی سے محفوظ رکھے (اے لوگو!) اچھی بات اور بہترین نصیحت اللہ کی کتاب ہے ——— اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا قریٔ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون

(اعراف: پ۹)

(ترجمہ: جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے)

اس کے بعد سیدنا یزیدؒ نے سورہ توبہ کی آیات کی تلاوت و تفسیر بیان کرتے ہوئے لوگوں کو نصیحتیں کیں۔"

(العقد الفرید ج ۲ ص ۲۷۸ طبع مصر)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے شاگرد علامہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی "کتاب الزہد" کے حوالہ سے سیدنا یزیدؒ کی تقریر سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

اذا مرض احدکم مرضا فاشفی ثم تماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسوأ عمل عندہ فلیدعہ

(العواصم من القواصم ص ۲۳۳)

"جب تم میں سے کوئی آدمی بیمار ہو کر قریب مرگ ہو جائے اور پھر تندرست ہو جائے تو وہ غور کرے، اس کا جو افضل ترین عمل ہو اس کو لازم پکڑ لے اور پھر اپنے بدترین عمل کو دیکھے تو اسے چھوڑ دے۔"

(العواصم من القواصم اردو ص ۳۷۱)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ——— سیدنا یزیدؒ، اپنے والد ماجد سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد، امیر المؤمنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ دے کر فارغ ہوتے تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہمعصر تابعین کی پسندیدگی کا یہ عالم تھا:

فافترق الناس عنہ وھم لا یفضلون علیہ احدًا

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۳)

"لوگ تقریر سن کر ان کے پاس سے گئے تو ان کا حال یہ تھا کہ وہ سیدنا یزیدؒ پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔"

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر۔ دمشق۔ میں اس عظیم اجتماع کے موقعہ پر سیدنا یزیدؒ کے ساتھ عوام و خواص کی جانب سے پسندیدگی و عقیدت کا یہ اظہار صرف اس لئے نہ تھا کہ حلم و عدل کے پیکر سیدنا معاویہؓ کی ابدی جدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا ——— بلکہ اعتماد و محبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ و تابعین کرام تھے جنہوں نے بچپن سے لے کر جوانی کی موجودہ منزل تک امیر یزیدؒ کے شب و روز کا براہِ راست مشاہدہ کیا تھا وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں ہوش سنبھالنے والا یہ باصلاحیت اور

صاحب کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت و امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔ انہیں سیدنا یزید رح کی شخصیت میں ایک ایسے قائد و خلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی جو فاروقی عزم و ارادہ کے ساتھ متعدد مرتبہ قائدانہ صلاحیت کے وہ غیر فانی نقوش ثبت کر چکا تھا جن کی یاد اور جذبۂ تشکر نے چھوٹے بڑے، تمام ہم عصر حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا یزید رح کی خدمت میں عقیدت و محبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ۔ لا یفضلون علیہ احدً

فاروقی نقش قدم | ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رض نے امیر یزید رح سے دریافت کیا کہ اگر تمہیں خلافت و حکمرانی دے دی جائے تو اسے کس طرح چلاؤ گے؟ سیدنا یزید رح نے جواب میں عرض کیا:

کنت واللّٰہ یا ابتِ عاملاً فیھم عمل عمر بن الخطاب۔ فقال معاویۃ: سبحان اللّٰہ یا بُنَیّ واللّٰہ لقد جھدتُ علی سیرۃ عثمان بن عفان فما اطقتہ وکیف بک وسیرۃ عمر ـــــ؟ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۰۹)

"قسم بخدا ـــــ اے اباجان! میں ان میں سیدنا عمر بن خطاب کے طریقہ پر عمل کروں گا ـــــ حضرت معاویہ رض نے کہا، سبحان اللہ ـــــ اے بیٹے! بخدا میں نے سیدنا عثمان بن عفان رض کی سیرت کو اپنانا چاہا، لیکن نہ کر سکا، پھر کہاں تم اور کہاں سیرت عمر رض کی پیروی۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا یزید رح نے خلیفہ عادل، امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رض کی سیرت و سوانح اور راشدانہ کردار و طریقہ کار کا گہری نظروں سے مطالعہ ہی نہ کیا تھا، بلکہ سیدنا فاروق اعظم رض کی شخصیت اور نقوشِ قدم ہی کو آپ نے

اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کا آئیڈیل و معیار قرار دیا تھا ـــــ فاتح روم و ایران سیدنا فاروق اعظم رض کے ساتھ آپ کی یہ وابستگی اور والہانہ عقیدت ہی غالباً اس بات کا سبب بنی کہ روایات ساز عجمی عناصر نے آپ کے خلاف من گھڑت روایات و حکایات کا اتنا انبار لگا دیا جس میں آپ کی شخصیت کے حقیقی محاسن اور سچے نقوش تقریباً گم ہو کر رہ گئے ـــــ تاہم روایت و درایت کے معروف ضابطوں اور ہم عصر بزرگوں کے فیصلوں کو پیش نظر رکھ کر، حق و انصاف سے غور و فکر کیا جائے تو سیدنا یزید رح کی شخصیت اور اس کے حقیقی خد و خال کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

یتیموں سے ہمدردی | سیدنا یزید رح اگرچہ ایک حیثیت دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے ـــــ جب آنکھ کھولی تو آپ کے والد شام جیسے صوبے کے گورنر تھے اور جب ہوش سنبھالا تو ساٹھ لاکھ مربع میل سے بھی زائد رقبہ پر پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت کے با اختیار خلیفہ تھے ـــــ لیکن۔ اول تو آپ کے والد سیدنا معاویہ رض جیسے حلیم و کریم، صحابی کی پرورش۔ دوسرے کئی اہلِ علم و فضل اصحاب رسول ﷺ کی تربیت۔ اور پھر قرنِ اول کے دینی ماحول کا اثر۔ ان سب پر مستزاد آپ کا اپنے لئے "فاروقی نقشِ قدم" کو معیارِ زندگی قرار دے لینا وغیرہ ـــــ یہ تھے وہ اسباب و عوامل جن کی بدولت سیدنا یزید رح میں حلم و کرم، غریب پروری اور انسانی ہمدردی جیسے اعلیٰ اوصاف کا پیدا ہو جانا لازمی تھا ـــــ چنانچہ سیدنا یزید رح کو نوعمری ہی سے غریبوں اور یتیموں کی خدمت کا اس قدر شوق و انہماک تھا کہ ان کی خبر گیری و پرورش پر اپنا جیب خرچ تک صرف فرما دیتے۔ ان کی بہتری کے لئے ہر آن کوشاں رہتے ـــــ ایک مرتبہ آپ نے سیدنا فاروقِ اعظم رض کے قبیلہ بنو عدی اور بعض دوسرے قبائل کے غریبوں اور یتیموں کی پرورش اور وظائف کے سلسلہ میں امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رض سے گفتگو کی۔ حضرت معاویہ رض

نے ان سے دریافت کیا :

مالك ولا يتام بني عدي ؟ فقال لانهم حالفوني وانتقلوا الى داري - فقال معاوية قد فعلت ذلك كله وقبل وجهه

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۷)

"بنو عدی کے یتیموں سے تمہیں کیا تعلق ؟ —— امیر یزیدؒ نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھے اپنا حلیف بنالیا ہے اور وہ میرے گھر منتقل ہو گئے ہیں —— حضرت معاویہؓ نے فرمایا یہ سب کچھ منظور ہے۔ اس کے بعد آپ نے امیر یزیدؒ کی پیشانی پر بوسہ دیا "

حِلم وکَرم | انتقام اور بدلہ لینے کی طاقت اور اختیار کے باوجود غلطی کے مرتکب کو معاف کردینا "حِلم" کہلاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اگر کسی شخص میں اپنے مقابل سے بدلہ لینے کی سکت ہی نہیں، اس لئے وہ خاموشی اور درگزر اختیار کرلیتا ہے تو اُسے حِلم نہیں مجبوری و کمزوری سے تعبیر کیا جائے گا —— سیدنا معاویہؓ ۱۸ھ ہجری سے ۴۱ھ ہجری تک صوبہ شام کے با اختیار گورنر رہے اور ۴۱ھ ہجری سے اپنی وفات ۶۰ھ ہجری تک آپ کو پورے عالمِ اسلام کے متفقہ خلیفہ کی حیثیت حاصل رہی۔ گویا چالیس برس تک آپ اُس قوت و شوکت کے مالک رہے، جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ بایں ہمہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کا "حلم و عفو" ان کے ہمعصروں میں ضرب المثل تھا —— بعض لوگ شوریدہ سری سے آپ پر گستاخانہ جسارت کرگزرتے تو آپ مسکرا کر ٹال دیتے۔ اور بعض افراد نسلی برتری و تفوق کے غیر صالح جذبہ سے آپ کے ساتھ سخت کلامی و بے ادبی کے مرتکب ہوتے تو آپ تحمّل مزاجی اور عفو و کرم کا برتاؤ کرکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے اس فرمان کی عملی تفسیر و تعبیر پیش فرمایا کرتے تھے :-

معاوية احلم امتي واجودها (حماۃ الاسلام ص۱۶۵ ج۱)

"یعنی میری امت میں سب سے زیادہ حلم اور جود و سخا کے حامل معاویہؓ ہیں "

چھٹی صدی ہجری کے شیعہ مورخ محمد بن علی بن طباطبا —— المعروف بہ ابنِ طقطقی لکھتے ہیں کہ :-

"معاویہ رضی اللہ عنہ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے، فرزانہ و عالم تھے، حلیم اور باجبروت فرمانروا تھے، سیاست میں کمال حاصل تھا، اور دنیاوی معاملات کو سلجھانے کی اعلیٰ استعداد رکھتے تھے، دانا تھے، فصیح اور بلیغ تھے حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے لیکن حلم بہت غالب تھا۔ مال خوب دیتے تھے " (الفخری، اردو ص ۱۲۹)

ان ہی شیعہ مؤرخ نے سیدنا معاویہؓ کے حلم و کرم پر مندرجہ بالا رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ واقعہ بھی درج کیا ہے :-

"ایک بار انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سو دینار بھیجے۔ انصاری نے اسے بہت کم خیال کیا اور اپنے فرزند سے کہا کہ : یہ رقم لے جاؤ اور معاویہؓ کے منہ پر مار کر واپس کردو —— پھر اس سے قسم دے کر کہا کہ جیسا میں نے بتایا ہے اسی طرح کرنے۔ وہ رقم لے کر معاویہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ : اے امیر المؤمنین! میرے والد گرم مزاج اور جلد باز ہیں. انہوں نے قسم دے کر ایسا حکم دیا ہے اور میں ان کے خلاف جانے کی قدرت نہیں رکھتا —— یہ سن کر معاویہ نے اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور کہا کہ: تمہارے والد نے جو کچھ حکم دیا ہے اسے پورا کرلو مگر اپنے چچا کے (یعنی میرے) ساتھ نرمی ملحوظ رکھو، (یعنی زور سے نہ مارو صرف قسم پوری کرلو) وہ صاحبزادے شرما گئے اور رقم ڈال دی۔ معاویہ نے رقم دوگنی کرکے

انصاری کو بھجوا دی ـــــ ان کے لڑکے یزید کو جب خبر ہوئی تو غصے میں اپنے والد کے پاس آئے اور کہا: آپ حلم میں مبالغے سے کام لینے لگے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ لوگ اسے آپ کی کمزوری اور بزدلی پر محمول کرنے لگیں گے۔ ـــــ انہوں نے جواب دیا کہ، بیٹے حلم میں نہ کوئی ندامت کی بات ہے نہ برائی کی۔ تم اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" (الفخری ص ۱۳۱)

مشہور شیعہ مورخ محمد بن جریر طبری نے حضرت معاویہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"بندہ کو جو نعمتیں عطا ہوئی ہیں عقل و حلم ان میں سے افضل ہے کہ جب اس کی تعریف کی جائے تو وہ بھی ذکر خیر کرے، جب اسے عطا کیا جائے تو وہ شکر گزار ہو، جب مصیبت پڑے تو صبر کرے، غصہ آجائے تو ضبط کرے، قابو پائے تو بخش دے، خطا کرے تو بخشوا لے، وعدہ کرے تو اسے پورا کرے۔"

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۱۷۳)

سیدنا یزیدؒ کی زندگی، سیدنا معاویہؓ کے اسی حلم و کرم کا مظہر تھی۔ آپ نے والد محترم کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی کو ایک سعادتمند اور فرمانبردار بیٹے کی طرح پوری زندگی دستور العمل کے طور پر اپنائے رکھا ـــــ یہی وجہ ہے کہ سیدنا یزیدؒ کی زندگی میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں کہ آپ نے گستاخ و بے ادب اور شوریدگی کے مرتکب لوگوں کے ساتھ حلم و کرم کا وہی برتاؤ کیا، جو ایسے موقعوں پر السید الکریم حضرت معاویہؓ اختیار فرمایا کرتے تھے ـــــ چنانچہ عبدالرحمن بن حسان نامی شاعر ایک مرتبہ حضرت یزیدؒ کے پاس آئے، لیکن کسی وجہ سے ان کی توقع کے مطابق خاطر و مدارات نہ ہو سکی۔ جس پر ناخوش ہو کر انہوں نے امیر یزیدؒ کی ہجو اور مذمت میں اشعار کہے ـــــ آپ کے قریبی دوستوں نے ان کے قتل پر زور دیا اور کہا کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کے حلیمانہ برتاؤ نے لوگوں کو آپ پر

بہت جری اور گستاخ کر دیا ہے۔ سیدنا یزیدؒ نے ان سے کہا:-

جفوناه وحرمناه فاستحققنا ذلك منه فبعث اليه بثلاثين الف درهم ـــــ فمدحه

(انساب الاشراف بلاذری ج ۶ ص ۱۱)

"ہم نے (ان کی خواہش برابر انعام و اکرام نہ دے کر) ان سے خشکی برتی تھی، اس لئے ہمیں یہ برائی سننی پڑی ـــــ اس کے بعد آپ نے ان شاعر کے پاس تیس ہزار درہم بھیج دئے، تو انہوں نے آپ کی مدح کی۔"

سخاوت | حلم و عفو کی طرح سخاوت کو بھی حضرت یزیدؒ کے والد مکرم کی زندگی میں ایک خصوصی درجہ حاصل تھا۔ آپ کا سحاب سخاوت بلا امتیاز سب پر برستا تھا۔ جس سے نہ صرف اہل شام بلکہ لاکھوں میل پر قائم، اسلامی ریاست کے تمام باشندے سیرابی حاصل کرتے تھے۔ آپ کے یہاں دور و نزدیک سے آئے ہوئے مہمانوں کا ہر وقت اژدحام رہتا تھا۔ دور کے مہمان مہینوں قیام کرتے اور واپسی پر آپ کی میزبانی و سخاوت کے گن گاتے ہوئے اپنے اپنے علاقوں کی طرف لوٹتے تھے۔

سیدنا علیؓ کے دونوں صاحبزادوں ـــــ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ ـــــ کو جس شفقت و محبت کے ساتھ سالانہ وظائف ہی نہیں، دیگر عطیات و تحائف دیتے رہے، وہ آپ کی سخاوت کا منہ بولتا تاریخی ثبوت ہیں:

فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكراما زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا ويعطيهما عطاء جزيلا وقد اطلق لهما في يوم واحد مائتي الف (البداية والنهاية ج ۸ ص ۱۵۱)

"جب سیدنا معاویہؓ کی خلافت قائم ہو گئی تو حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بے حد عزت و تکریم کرتے اور انہیں خوش آمدید کہتے اور عطیات دیتے ــــ ایک ہی دن میں ان کو دو لاکھ درہم عطا کئے۔"

قدم الحسن بن علیؓ علی معاویۃ فقال لہ: لأجیزنک بجائزۃ لم یجزھا احدٌ کان قبلی فاعطاہ اربعمائۃ الف الف ووفد الیہ الحسن والحسین فاجازلھما علی الفور بمأتی الف۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۷)

"ایک مرتبہ) حضرت حسنؓ بن علیؓ ــ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ایسا گراں قدر وظیفہ دوں گا جو مجھ سے پہلے کسی نے نہ دیا ہو ــــ چنانچہ انہوں نے حضرت حسنؓ کو چالیس کروڑ درم دیئے ــــ اسی طرح کسی اور موقعہ پر حضرات حسنؓ و حسینؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے ان دونوں کو فی الفور دو لاکھ درہم عنایت کیے۔"

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ فیکرمہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱)

"جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا، تو حضرت حسینؓ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ انہیں عطیے دیتے اور ان کا اکرام کرتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ سیدنا معاویہؓ یوں تو تمام ہی لوگوں پر شفیق و مہربان تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کے خاندان کے ساتھ آپ نے زندگی بھر جس دریادلی و فیاضی کا سلوک کیا وہ صلہ رحمی و عشق نبوی کا اعلیٰ مظہر ہے، جہاں

ان کے سالانہ وظیفہ میں اضافہ کر دیا — حضرت معاویہؓ کی طرف سے اُن کو چھ لاکھ وظیفہ ملتا تھا جسے سیدنا یزیدؒ نے بڑھا کر دس لاکھ کر دیا۔ اس پر انہوں نے حضرت یزیدؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ —— یہ سن کر سیدنا یزیدؒ نے مزید دس لاکھ درہم عنایت فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے ان سے کہا کہ قسم بخدا! یہ جملہ "بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي" آپ کے علاوہ کسی کے لئے نہ کہوں گا۔

علامہ بلاذری نے اس موقعہ پر مؤرخ المدائنی کی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

فقال ابن جعفر فداك أبي وأمي والله ما قلتها لأحد قبلك۔ (انساب الاشراف بلاذری ج۴ ق۳)

"حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان" قسم بخدا! یہ الفاظ میں نے آپ سے پہلے کسی بھی شخص کے لئے نہیں بولے۔"

بلاذری ہی کا بیان ہے کہ سیدنا یزیدؒ کی جانب سے اس موسلا دھار فیاضی و سخاوت پر ان کے وزیر خزانہ یا کسی دوسرے معتمد مشیر نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کہ کیا آپ عبداللہ بن جعفرؓ کو اتنی کثیر رقوم، سالانہ وظیفہ میں دیں گے —— تو اس کے جواب میں حضرت یزیدؒ نے فرمایا:-

نعم! إنه يفرق ماله، فإعطائي إياه إعطائي أهل المدينة۔
(ایضاً - انساب الاشراف)

"جی ہاں! (تمہیں کیا خبر کہ) یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں، انہیں دینا گویا اہل مدینہ کو دینا ہے۔"

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کا یہ واقعہ بھی بیان کیا

ہے کہ جب وہ وظیفے و عطیے کی رقوم لے کر سیدنا یزیدؒ کے مکان سے باہر نکلے تو دروازے پر مال و اسباب سے لدے ہوئے دو کوہانی اونٹوں کی قطار دیکھی —— اعلیٰ قسم کے یہ دو کوہانی اونٹ، امیر المؤمنین یزیدؒ کی خدمت میں خراسان سے تحائف و ہدایا لے کر پہنچے تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ واپس آئے اور امیر یزیدؒ سے درخواست کی کہ ان میں سے تین اونٹ عنایت ہوں تاکہ حج، عمرہ اور شام کے سفر میں باری باری استعمال کر سکوں —— سیدنا یزیدؒ نے متعلقہ افسر سے ان اونٹوں کے متعلق معلومات حاصل کیں اور پھر حکم دیا کہ وہ تمام اونٹ اور ان پر لدا ہوا سارا مال و اسباب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو دے دیا جائے۔ خراسان سے آئے ہوئے ان اونٹوں کی تعداد چار سو تھی۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، سیدنا یزیدؒ کی سخاوت و فیاضی اور صلہ رحمی و نیک دلی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ برملا اعلان فرمایا کرتے تھے:-

أتلوموني على حسن الرأي في هذا؟ يعني يزيد۔

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۲۳۰)

"کیا تم ان — یزیدؒ بن معاویہؓ کے بارے میں - اچھی رائے رکھنے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو —— ؟"

الغرض - سیدنا یزیدؒ کے اس فیاضانہ برتاؤ نے ثابت کر دیا کہ واقعی آپ جود و سخا میں اپنے والد محترم، حضرت معاویہؓ کے سچے جانشین تھے۔ آپ نے سیدنا معاویہؓ کی جاری کردہ "نہر سخاوت"، کو خشک ہی نہ ہونے دیا بلکہ ایک صاحب امانت منتظم کی مانند اس کی سلامتی و ترقی کے لئے زندگی بھر کوشاں رہے —— بنابریں ان تاریخی حقائق اور سوانحی نقوش کے پیش نظر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اگر سیدنا حسینؓ، کوفی منافقوں کے چکمے میں آ کر ہمعصر امت کے

بشارتِ مغفرت

- حدیث مغفورٌ لھم
- مجاہدینِ قبرص
- مجاہدینِ قسطنطنیہ
- وفات سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ
- اشکال اور جوابات
- جہاز سازی
- امارتِ حج

جہادِ قسطنطنیہ اور بشارتِ مغفرت

سیدہ، حضرت اُمّ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :-
سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت ام حرام قلت یا رسول اللہ انا فیھم (وفی روایۃ انس ص۳۹۲ ج۱ ادع اللہ ان یجعلنی منھم فدعا لھا) قال انت فیھم قالت ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فقلت انا فیھم یا رسول اللہ ؟ قال لا

(بخاری جلد اول ص ۴۱۰)

"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا سب سے پہلا وہ لشکر جو بحری جہاد شروع کرے گا، ان کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت ام حرام رض کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں ان میں سے ہوں گی ؟

بخاری ص۳۹۲ ج۱ کی حدیث بروایت حضرت انس رض کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے کردیں۔ آپ نے ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا تم ان میں ہو گی۔ حضرت ام حرام رض فرماتی ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا کہ میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر کے دار الحکومت "قسطنطنیہ" پر حملہ

کرے گا وہ بخشا ہوا ہے ——— میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں (بلکہ تم پہلے میں سے ہوگی)

صحیح بخاری کی اس مستند و معتبر حدیث میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کے دو لشکروں کے متعلق جنت و مغفرت کی بشارت بیان فرمائی ہے۔

اوّل: ——— وہ لشکر جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی بار سمندری جہاد کرے گا۔

دوم: ——— وہ لشکر جو رومی پائے تخت قسطنطنیہ پر پہلی بار چڑھائی کرے گا

صحیح بخاری میں کئی مقامات پر اس بات کی صراحت و وضاحت پائی جاتی ہے کہ ان ہر دو جنتی اور مغفرت یافتہ لشکروں کے ایمان افروز مناظر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کو رویا اور خواب میں دکھا دیئے گئے تھے انہیں دیکھ کر ہی آپ نے پیشین گوئی کرتے ہوئے قد اوجبوا ——— اور ——— مغفور لھم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے ——— اور چونکہ بخاری ص ۲۵/۱ و ترمذی ص ۲۰۹/۲ میں درج حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں ——— رویا الانبیاء وحی ——— اس لئے لازمی طور پر تسلیم کرنا ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کا یہ خواب۔ اور حالت بیداری میں دی ہوئی جنت و مغفرت کی یہ بشارت و خوشخبری بھی وحی ربانی ہے۔ جیسے تاویل و تحریف کی غبار بھی خراد پر ہرگز نہیں چڑھایا جا سکتا۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی و بخت بیداری کس قدر قابل رشک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دور امارت اور عہد خلافت میں

نبی صادق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشین گوئی کو پورا، اور آپ کے مبارک خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمایا، جس کی تفصیل یہ ہے

مجاہدین قبرص | سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی میں "اسلامی بحریہ" کی تشکیل کے لئے بہت کوشش کی، لیکن خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بعض وجوہات کے پیش نظر نیا بحری محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی ——— عہد عثمانی میں آپ نے پھر اجازت چاہی۔ بالآخر آپ کے مسلسل اصرار پر امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ دربار خلافت سے اجازت کا ملنا تھا کہ صوبہ شام کے ہردلعزیز گورنر، اسلامی فتوحات کے عظیم مدبر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑی تندہی اور یکسوئی کے ساتھ ایک طرف جنگی جہازوں کی تیاری شروع کرائی اور دوسری جانب مسلمان فوجوں کی بحری تربیت کا معقول بندوبست کیا اس طرح پانچسو سے زائد جنگی جہازوں پر مشتمل یہ پہلا "اسلامی بحریہ" عالم وجود میں آیا، جسے اسلام کی تاریخ میں بحری فتوحات کے سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے بلاشبہ یہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عظیم ترین کارنامہ ہی نہیں جس کی ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بلکہ مسلمان قوم پر ایک ایسا احسان بھی ہے جس کے جذبۂ تشکر و احسان مندی سے قیامت تک سبکدوش نہیں ہوا جا سکتا ———

لیکن کس قدر حیرت و تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کی بحری فتوحات و خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ہی نہیں، بحری کارناموں کے صلہ میں اعزازی تمغے اور نشانات دیتے ہوئے بھی "بانی اسلامی بحریہ" امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو یکسر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر محسن کشی اور احسان فراموشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس شخصیت کے قائم کردہ نقوش پر آج فخر سے سر اونچا کیا جاتا ہے، اسی کو تاریخ کے اس اہم گوشے سے

حرفِ غلط کی مانند کھرچ پھینکنے کی کوششیں کی جائیں۔

بہرحال بحری بیڑے کی تیاری کے بعد ۲۸ ہجری میں سیدنا معاویہؓ نے اپنی زیرِ قیادت سمندر پار، قبرص جیسے اہم یونانی علاقے پر اسلامی پرچم لہرایا، اس جہاد میں سیدنا ابوذر غفاریؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا عبادہ بن صامتؓ جیسے اکابر صحابہؓ شامل تھے یہی وہ غزوہ ہے جس میں شریک ہونے والے تمام مجاہدین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری کی روایت کے مطابق جنتی ہونے کی خوشخبری و نوید سنائی۔ اور جس میں شمولیت کے لئے سیدہ اُمِ حرامؓ نے آپؐ سے خصوصی دعا کرائی تھی ـــــ سیدہ اُمِ حرامؓ اپنے شوہر سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ شریکِ جہاد تھیں، فتح قبرص کے بعد جب لشکرِ اسلام واپس ہونے لگا، تو یہ سواری کا خچر بدکنے سے گر کر شہید ہو گئیں۔

سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں :-

فخرجت مع زوجها عبادة بن الصامت غازيا اول ما ركب المسلمون البحر مع معاوية فلما انصرفوا من غزوتهم قافلين فنزلوا الشام فقربت اليها دابة لتركبها فصرعتها فماتت ـ (بخاری ج ۱ ص ۳۹۱ ، ۳۹۳ ، ج ۲ ص ۹۳۰۔ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۲۲ ، ج ۷ ص ۱۵۳)

"حضرت ام حرامؓ ـــــ اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ہمراہ جہاد میں نکلیں۔ وہ سب سے پہلا جہاد تھا جس میں مسلمان سیدنا معاویہؓ کے ساتھ سمندر پار گئے تھے۔ جب وہ لوگ جہاد سے فارغ ہو کر شام واپس ہوئے تو سیدہ ام حرامؓ کی سواری کا جانور لایا گیا۔ وہ اس سے گر کر انتقال فرما گئیں"

ذریعہ سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضؓ کو شہید کر دیا گیا ـــــ ان کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رضؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی فتوحات اور جہادی سرگرمیاں حسبِ سابق جاری رکھیں اور ان میں کسی قسم کا تعطل پیدا نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ ایران کی مجوسی حکومت آپ ہی کے دورِ خلافت میں خاتمہ کو پہنچی۔ بالآخر عجمی نومسلموں اور جنگی قیدیوں وغیرہ اسلام دشمن عناصر نے ـــــ عرب معاشرے کے بعض بزرگوں کو آڑ بنا کر سیدنا عثمان غنی رضؓ کے خلاف شورش کھڑی کی، جس کے نتیجہ میں آپ کی دردناک شہادت واقع ہوئی ـــــ امام مظلوم سیدنا عثمان ذوالنورین رضؓ کو شہید کر کے انہیں شرپسندوں نے حضرت علی رضؓ کی خلافت کے قیام کا اعلان کیا، لیکن معاملاتِ حکومت پر عجمی سبائیوں کے تسلط نے مسلمانوں کو خانہ جنگی و طوائف الملوکی کی آگ میں دھکیل دیا۔ حضرت علی رضؓ کے ساڑھے چار سالہ عبوری دور میں فتوحات کا دروازہ قطعاً بند رہا، سیدنا معاویہ رضؓ جیسے مدبرین و مجاہدین کی جہادی سرگرمیاں ان خانہ جنگیوں کی وجہ سے یکدم رُک گئیں ـــ حضرت علی رضؓ کی شہادت اور حضرت حسن رحؒ کی سپردگی کے بعد جب امت کی "چوتھی اجماعی خلافت" سیدنا معاویہ رضؓ کو ملی تو آپ نے اسلامی فتوحات اور انسانی خدمت کے رُکے ہوئے کارواں کو پھر سے بسوئے منزل رواں دواں کیا۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآء۔

ایران کی فتح حضرت عثمان غنی رضؓ کے عہدِ خلافت میں مکمل ہو چکی تھی، لیکن روم کے بیشتر علاقوں پر اسلام کا پرچم لہرائے جانے کے باوجود، روم کی عیسائی حکومت کا پائے تخت قسطنطنیہ ابھی تک باقی تھا، جہاں سے وہ وقتاً فوقتاً مسلمان علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے، اس لئے سیدنا معاویہ رضؓ نے فیصلہ کیا کہ عیسائی دارالحکومت، قسطنطنیہ کو فتح کر کے رومیوں کی ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیا جائے

ـــ نیز سیدنا معاویہ رضؓ جیسے عظیم فاتح اور مدبر جرنیل سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ یورپ اور مغربی ممالک کی فتوحات کے لئے قسطنطنیہ کو دروازے کی حیثیت حاصل ہے، جسے فتح کئے بغیر سمندر پار ان ملکوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ممکن نہیں ـــ سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنی ہوئی "بشارتِ مغفرت" اور آپؐ کے دیکھے ہوئے رؤیا کی تعبیر نے قسطنطنیہ کی چڑھائی پر آمادہ کیا۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حدیثِ بشارت کے پہلے حصے پر بحری جہاد کی صورت میں پورا اترنے کی توفیق عنایت فرمائی، اسی طرح دوسرے جزو کا مصداق بننے کی سعادت بھی مجھے عطا فرمائے ـــ یہ تھے وہ اسباب و عوامل جن کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضؓ نے سنہ ۴۹ ہجری میں قسطنطنیہ پر فوج کشی کا قطعی فیصلہ کیا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب نوجوان طبقہ ہی نہیں ـــ بچے، بوڑھے اور خواتین ـــ سب ہی جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے سرشار تھے۔ اسلامی سرحدوں پر مصروفِ جہاد مجاہدین کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں اور گھروں پر موجود افراد بھی ہر وقت گوش بر آواز رہتے، کہ کب جہاد کے لئے پکار کانوں میں آئے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ ان حالات میں سیدنا معاویہ رضؓ کے اس عزم اور فیصلہ کی اطلاع نے پوری اسلامی ریاست میں روح پھونک دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے جس لشکر میں شریک مجاہدین کو مغفرت یافتہ قرار دیا تھا، اس میں شامل ہونے کے لئے لوگ جوق در جوق دمشق آنے لگے ـــــ سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا حسین بن علی اور میزبانِ رسولؐ سیدنا ابوایوب انصاری رضوان اللہ علیہم ـ وغیرہ نے مدینہ منورہ سے تشریف لا کر اس جنتی اور

مغفرت یافتہ لشکر میں شمولیت اختیار فرمائی ـــــ اس وقت سیدنا یزیدؒ کی عمر ۲۶، ۲۷ سال تھی۔

امیر یزیدؒ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا، تو پوری مسلمان قوم حرارت دینی سے سرشار ہو کر ملّی خدمات اور اسلامی تسخیر و فتوحات میں بدل و جان مصروف و منہمک تھی۔ چنانچہ اس مجاہدانہ و سرفروشانہ ماحول کا اثر ـــــ علمی و عملی اعلیٰ تربیت و مہارت کا تقاضا ـــــ اور ان سب پر مستزاد جواں سال گوں میں سیدنا معاویہؓ جیسے عظیم فاتح اور مجاہد اعظم کے خون کی جولانی کا نتیجہ تھا کہ آپ میں آغاز شباب ہی سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے سیمابی تڑپ موجود تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینۂ قیصر قسطنطنیہ پر اول پیشقدمی کرنے والے مجاہدین کو لسانِ نبوت سے سند مغفرت دی گئی ہے، بنا بریں جب آپ کے والد محترم خلیفۃ المسلمین حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کا پختہ ارادہ فرمالیا تو نبوی ارشاد کے مطابق --- "حصول مغفرت" کے مومنانہ جذبے سے سرشار ہو کر ابن کثیرؒ ج ۸ ص ۲۲۷ کی روایت کے مطابق آپ نے اس اہم بلکہ مقدس مہم کی امارت کے لئے درخواست کی۔ سیدنا معاویہؓ نے جوان عمر بیٹے کے مجاہدانہ جذبات اور ارشاد نبوی کے سلسلہ میں والہانہ و فدایانہ احساسات کو قبول کرتے ہوئے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے اس لشکر کی قیادت و امارت سیدنا یزیدؒ کے سپرد فرمائی۔

امیر المومنین فی الحدیث، امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ ارقام فرماتے ہیں:

قال محمود بن الربیع فحدثتها قوما فیہم ابو ایوب الانصاری صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوتہ التی توفی فیہا ویزید ابن معاویۃ علیہم بارض الروم۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۸)

"محمود بن ربیعؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت غزوۂ قسطنطنیہ کے موقعہ پر لوگوں سے بیان کی، اس جہاد میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ شریک تھے۔ نیز اسی میں ان کا وصال ہوا ـــ اس لشکر کے امیر یزید بن معاویہؓ تھے۔

علامہ قسطلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:-

کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ و معہ جماعۃ من سادات الصحابۃ کابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر و ابی ایوب الانصاری وتوفی بہا ابو ایوب۔ (قسطلانی بحوالہ حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

"قسطنطنیہ پر سب سے پہلے جہاد یزید بن معاویہؓ نے کیا۔ آپ کے ساتھ کبار صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی شریک تھی جس میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ شامل تھے۔"

مشہور شارحین بخاری علامہ بدر الدین عینیؒ اور علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

ان یزید بن معاویۃ غزا بلاد الروم حتٰی بلغ قسطنطنیۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ منہم ابن عمر و ابن عباس و ابن الزبیر وابو ایوب الانصاری وکانت وفاۃ ابی ایوب الانصاری ھناک قریبًا من سور القسطنطنیۃ وقبرہ ھناک۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۹۹، فتح الباری ج ۶ ص ۷۸)

"امیر یزید بن معاویہؓ رومی علاقوں میں مصروف جہاد رہے، یہاں

تک کہ آپ قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔ آپ کے ساتھ اکابر صحابہؓ کی جماعت بھی موجود تھی، جس میں حضرات عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ زبیرؓ اور ابوایوب انصاریؓ شامل ہیں۔ اسی جہاد میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی اور وہیں شہر کی فصیل کے پاس ان کی قبر بھی ہے۔"

علامہ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ:-

فسار معه خلق کثیر من کبار الصحابة حتی حاصر القسطنطینیة۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۲ و ۱۲۷)

"اکابر صحابہ کی بہت بڑی تعداد آپکے ساتھ روانہ ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔"

آگے چل کر علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

کان الحسین یفد الی معاویة فی کل عام فیعطیه و یکرمه وکان فی الجیش الذین غزوا القسطنطینیة مع ابن معاویة یزید۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱)

"سیدنا حسینؓ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس (دمشق) جایا کرتے اور وہ انہیں گرانقدر وظائف اور عزت واکرام سے نوازتے تھے۔ اور حضرت حسینؓ اس لشکر میں بھی شریک تھے جس نے حضرت یزیدؒ بن معاویہؓ کے ساتھ قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی۔"

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:-

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من

غزا مدینة قیصر۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۸۷، حاشیہ بخاری ص ۴۱۰)

"مہلبؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت معاویہؓ کی فضیلت ہے اس لئے کہ انہی نے پہلا بحری جہاد کیا۔ نیز آپ کے صاحبزادے امیر یزیدؒ کی فضیلت بھی ہے کیونکہ انہی نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کی۔"

شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:-

اول جیش غزاها کان امیرهم یزید والجیش عدد معین لا مطلق وشمول المغفرة لآحاد هذا الجیش اقوی ---- ویقال ان یزید انما غزا القسطنطینیة لاجل هذا الحدیث۔ (منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۵۲)

"قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کرنے والے لشکر کے سپہ سالار حضرت یزیدؒ تھے۔ اور چونکہ لشکر معین تعداد کو کہا جاتا ہے اس لئے اس فوج کا ہر ہر فرد بشارت مغفرت میں شریک ہے —— کہا جاتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے اسی ارشاد نبویؐ کی خاطر قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔"

یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ارقام فرماتے ہیں:-

ویزید هذا ولی الملک وهو اول من غزا القسطنطینیة غزاها فی خلافة ابیه معاویة وقد روی البخاری فی صحیحه عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اول جیش یغزوا القسطنطینیة مغفور لهم۔ (یزید ابن معاویہؓ ص ۳۷)

"یہ امیر یزیدؒ (اپنے والد کے بعد) خلیفہ ہوئے۔ اور انہیں نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کی خلافت میں قسطنطنیہ پر اول مرتبہ چڑھائی کی تھی —— امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام

نے فرمایا کہ قسطنطنیہ پر پہلی بار جہاد کرنے والا لشکر بخشا ہوا ہے۔"

علّامہ ذہبی رح لکھتے ہیں :-

فاول من غزا القسطنطينية جيش بعثهم معاوية وعليهم ابنه يزيد وفيهم من سادات الصحابة ابوايوب الانصاری فيها مرها -

وقد صح ان اول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم واول جيش غزاها ،كان اميرهم يزيد .

(المنتقیٰ ص ۲۸۹ و ۲۹۱)

"قسطنطنیہ پر پہلی بار حملہ کرنے والے لشکر کو حضرت معاویہ رض نے امیر یزید رح کی قیادت میں روانہ کیا تھا ۔ اس میں اکابر صحابہ میں سے حضرت ابوایوب انصاری رض (وغیرہ) شریک تھے - - - - - - - - - - - - - - - - - -

یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے اول قسطنطنیہ پر جہاد کرنے والا لشکر بخشا ہوا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس لشکر کے امیر و قائد یزید بن معاویہ رض تھے۔"

مشہور و معروف شیعہ مؤرّخ محمد بن جریر طبری کا بیان ہے کہ :-

"یزید بن معاویہ رض نے رُوم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ ابن عباس و ابن عمر و ابن زبیر و ابوایوب انصاری ان کے ساتھ تھے۔"

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۸۶)

شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد مدنی رح تحریر فرماتے ہیں :-

"یزید کو متعدد معارکِ جہاد میں بھیجنے اور جزائر ابیض اور بلاد ہائے ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی

افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا ۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔"

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۵۰)

مشہور و معروف سیرت نگار علامہ السید سلیمان ندوی رح لکھتے ہیں کہ :-

"یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رض کے عہد میں پوری ہوئی اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تختِ شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید رح اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحرِ اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے ۔ اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔"

(سیرت النبی جلد سوم صفحہ ۶۰۱ مطبوعہ لاہور)

قدیم و جدید محدّثین و مؤرخین کی پیش کردہ یہ عبارات و نقول اس بات کا واضح اور ناقابل انکار ثبوت ہیں کہ زبانِ رسالت سے جنّت و مغفرت کی خوشخبری پانے والے ان "مجاہدینِ قسطنطنیہ" کی سربراہی و امارت امیرالمؤمنین سیدنا معاویہ رض کے خوش نصیب و باصلاحیت فرزند سیدنا یزید رح کو حاصل تھی ۔ حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ ابن عباس ، عبداللہ بن زبیر ، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور سیدنا حسین رحمہ اللہ ہی نہیں ـــــ دیگر اکابر صحابہ کی بڑی تعداد نے بدل و جان اس جہاد میں شرکت فرمائی اور امیرِ لشکر سیدنا یزید رح کے ماتحت اور زیرِ فرمان رہ کر مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے ۔

قرنِ اول کے اس دور میں کمانڈر کی حیثیت صرف جنگی ہدایت کار کی نہ ہوتی تھی ۔ بلکہ فوج میں شریک تمام مجاہدین کے اجتماعی و انفرادی ، دینی معاملات بھی امیرِ لشکر کے ذمہ ہوتے تھے ۔ اس لئے سات مہینے سے زائد مدت پر حاوی اس

مہم کے دوران سیدنا حسینؓ سمیت تمام صحابہؓ اور دیگر شرکائے لشکر سیدنا یزیدؒ کی جانب سے ملنے والی جنگی ہدایات وفرامین پر پورے خلوص کے ساتھ عمل پیرا رہے اور آپ کے پیچھے کھڑے ہوکر، اللہ رب العزت کے حضور صلاۃ پنجگانہ بھی ادا کرتے رہے۔ بلاشبہ سیدنا یزیدؒ کی قائدانہ صلاحیت اور مومنانہ کردار کے سلسلہ میں ہم عصر صحابہؓ و تابعینؒ کا یہ "عملی اجماع" ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے جس کے سامنے منافقین عجم، سبائیوں کی تمام ترالزام تراشیاں، افترائے محض اور سفید جھوٹ کی حیثیت رکھتی ہیں، جن میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔ ؎

ہر اتہام، ہر الزام ہوگیا باطل
سند یزیدؒ کو بخشش کی مصطفیٰ نے دی

وفات سیدنا ابوایوب انصاریؓ | میزبانِ رسول، سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی عمر اسّی سال سے بھی متجاوز تھی، بایں ہمہ اس ضعیف العمری اور پیرانہ سالی میں مدینہ منورہ سے دمشق اور پھر دمشق سے قسطنطنیہ کے طویل ترین سفر کی صعوبتیں آپ نے صرف اس لئے برداشت کیں، تاکہ رسولِ برحق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے ارشادگرامی کے مطابق بشارتِ مغفرت پانے والے لشکر میں شرکت کی سعادت حاصل کرسکیں —— شدید گرمی، طول طویل سفر، موسم اور آب وہوا کی اجنبیت اور پھر زندگی کے آخری کناروں کو چھوتی ہوئی ضعیفی وکمزوری چنانچہ سیدنا ابوایوب انصاریؓ کو پیچش کا عارضہ لاحق ہوگیا، جس نے بڑھتے بڑھتے ایسی شدت اختیار کرلی کہ زندگی سے مایوسی ہونے لگی —— امیر لشکر حضرت یزیدؒ بن معاویہؓ عہدِ رسالت کی ان بزرگ ترین شخصیت کی دیکھ بھال اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ان کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد میرے جنازہ کو دشمن کی سرزمین میں جتنی دور ممکن ہو لے جاکر دفن

کرآنا۔ نیز تمام مسلمانوں کو میرا سلام پہنچاکر میری طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کا یہ ارشادگرامی بھی سنادینا:

من مات لایشرك بالله شیئًا جعله الله فی الجنة

"جو شخص اس حال میں فوت ہوگا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی بھی شے کو ساجھی نہ کیا ہو، تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

سیدنا یزیدؒ نے وصیت کے مطابق لوگوں کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کا سلام پہنچایا۔ ان کا بیان فرمودہ فرمانِ نبویؐ سنایا اور تجہیز وتکفین کے بعد آپ ہی نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اگلے دن صبح رومیوں پر حملہ کے دوران قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے قریب دفن کردیا گیا۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:-

ان یزید بن معاویة کان امیرًا علی الجیش الذی غزا فیه ابو ایوب، فدخل علیه عند الموت فقال له: اذا انا مت فاقرءوا علی الناس منی السلام واخبروهم انی سمعت رسول الله (ص) یقول "من مات لایشرك بالله شیئًا جعله الله فی الجنة" ولینطلقوا فیبعدونی فی ارض الروم ما استطاعوا قال فحدث الناس لما مات ابو ایوب فاسلم الناس و انطلقوا بجنازته۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۵۹)

"یزیدؒ بن معاویہؓ اس لشکر کے امیر تھے، جس میں شامل ہوکر حضرت ابوایوب انصاریؓ نے جہاد کیا۔ ان کی وفات کے وقت امیر یزیدؒ تشریف لائے تو انہوں نے ان سے کہا کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو لوگوں کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ ارشاد نبویؐ انہیں سنانا کہ "شرک سے

"سیدنا ابوایوب انصاریؓ ــــ امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی فوج میں تھے۔ انتقال سے پہلے انہوں نے امیر یزیدؒ کو وصیت کی اور انہیں نے حضرت ابوایوبؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔"

علامہ محمد بن سعدؒ کی نقل کردہ روایات ملاحظہ ہوں:

پہلی روایت :ــــــــــــــــــــــــ

"پھر وہ (یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ) بیمار ہوگئے، لشکر پر یزید بن معاویہ امیر تھے، وہ ان کے پاس ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہو تو بیان کیجئے، انہوں نے کہا ہاں میری خواہش ہے کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے اونٹ پر سوار کرا کے جہاں تک گنجائش ملے دشمن کے ملک میں لے جانا، جب گنجائش نہ پانا تو وہیں دفن کر دینا اور واپس آجانا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو انہوں نے انہیں سوار کیا اور جہاں تک گنجائش ملی دشمن کے ملک میں لے گئے اور دفن کر کے واپس آگئے۔"

(طبقات ابن سعد اردو ج۴ ص ۶۱)

دوسری روایت :ــــــــــــــــــــــــ

"یزید بن معاویہ جس وقت ابوایوب کے پاس آئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ لوگوں سے میرا سلام کہنا۔ لوگوں کو چاہیئے کہ مجھے لے جائیں اور جتنا دور (دفن) کر سکیں کر دیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا یزیدؒ نے لوگوں سے بیان کر دیا۔ لوگوں نے مانا۔ ان کے جنازے کو جس قدر اندر لے جا سکتے تھے لے گئے۔" (طبقات ج۴ ص ۶۱)

تیسری روایت :ــــــــــــــــــــــــ

"جس سال یزید بن معاویہ نے اپنے والد معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت

میں قسطنطنیہ کی جنگ کی، اسی سال ابوایوب کی وفات ہوئی۔ ان پر یزید بن معاویہ نے نماز پڑھی، ان کی قبر روم میں قلعۂ قسطنطنیہ کی بنیاد میں ہے"

(طبقات ج۴ ص ۶۲)

قلعہ کی دیوار کے نزدیک کوئی چیز دفن کرتے ہوئے دیکھ کر رُومی سربراہ قیصر نے قاصد کے ذریعہ معلوم کرایا، تو امیر لشکر سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ نے کہا:

صاحب نبینا وقد سألنا ان نقدمہ فی بلادك ونحن منفذون وصیتہ او تلحق ارواحنا باللہ۔

(العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳)

"یہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے صحابی ہیں جنہوں نے تمہارے ملک میں اندر لے جاکر دفن کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت وخواہش کی تکمیل وتعمیل میں انہیں یہاں دفن کر رہے ہیں۔ ہم انہیں یہاں ضرور دفن کریں گے خواہ ہمیں اپنی جانیں دینی پڑیں؟"

یہ سن کر شاہِ رُوم کی زبان سے یہ گستاخانہ جملہ نکل گیا کہ ــــ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد ہم یہ لاش نکلوا کر کُتّوں کے سامنے ڈلوادیں گے ــــ قیصر کی زبان سے نکلے ہوئے ان گستاخانہ اور خبیث الفاظ کی اطلاع ملی تھی کہ سیدنا یزیدؒ نے لشکر کو پوری شدت وقوت سے رومیوں پر حملہ کا حکم دیا۔ اور خود بھی ایمانی غیرت وجرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بجلی کی طرح پلٹتے رہے، یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے اس شدید حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے رومیوں نے قلعہ میں پناہ لی ــــ سیدنا یزیدؒ کے ایمانی غضب اور مجاہدانہ جوش کا یہ عالم تھا کہ جب آپ رُومی لشکر کو پسپا کرتے ہوتے قلعہ کے دروازے تک پہنچے تو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے گرز سے قلعہ کے پھاٹک پر اس زور سے ضربیں لگائیں کہ اس میں جگہ جگہ شگاف

پڑ گئے۔ یہی وہ موقعہ ہے کہ سیدنا یزیدؒ نے رومیوں کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

یا اھل القسطنطینیۃ ھذا رجل من اکابر اصحاب محمد نبینا وقد دفناہ حیث ترون۔ واللہ لئن تعرضتم لہ لاھدمن کل کنیسۃ فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً۔

(شیعہ کتاب۔ ناسخ التواریخ ج۲ ص ۶۶)

"اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور تم دیکھتے ہو کہ ہم نے انہیں یہاں دفن کیا ہے ــــ واللہ! اگر تم نے ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو یاد رکھو کہ پوری سرزمینِ اسلام میں ہر کنیسہ منہدم کرادوں گا۔ اور پھر پورے عرب میں کبھی بھی ناقوس تک نہیں بج سکے گا؟"

علامہ ابن عبد ربہ کی درج کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

لئن بلغنی انہ نبش من قبرہ او مثل بہ لا ترکت بارض العرب نصرانیا الا قتلتہ ولا کنیسۃ الا ھدمتہا

(العقد الفرید ج۳ ص ۱۳۳)

"اگر مجھے پتہ چلا کہ ان کی قبر اکھیڑی گئی یا ان کے ساتھ کسی بے ادبی کا ارتکاب کیا گیا ــــ تو (کان کھول کر سُن لو کہ) میں سرزمین عرب میں کسی نصرانی کو قتل اور کسی گرجا کو ڈھائے بغیر نہ چھوڑوں گا؟"

سیدنا یزیدؒ کی اس جرأتمندانہ دھمکی اور شدید حملے سے قیصر پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ اپنے مذہب کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر کے ساتھ کسی بھی قسم کی بے ادبی وگستاخی نہ ہوگی۔

بلکہ اس کی حفاظت کا بھرپور خیال رکھا جائے گا۔ چنانچہ بعد میں اس نے قبر پر ایک قبہ بنوا دیا۔

بنیٰ علیٰ قبرہ قبۃ ولیسراج فیہا الی الیوم ـــــ

(العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۳)

"اس نے حضرت ابوایوبؓ کی قبر پر ایک قبہ بھی بنوا دیا۔ جہاں آج تک چراغ روشن ہوتا ہے"

مؤرخین کا بیان ہے کہ میزبان رسول، سیدنا ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی یہ حفاظت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی دی ہوئی پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آئی ـــــ مجدد تاریخ، شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"جو لوگ اس جہاد قسطنطنیہ کے لئے گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ آپ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا، جس پر آپ نے فرمایا تھا کہ ابوایوب اللہ تمہارے جسم کی بھی اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے۔ صاحب کتاب "الروض الانف" شرح السیرۃ النبویہ لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی اس دعا سے ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی ہے۔ اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کئے ہیں جو رومیوں سے فرمائے

تھے۔ جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور وعدہ کیا کہ ان صحابیٔ رسول کی قبر کی حفاظت کریں گے، اوّل جیش من امتی کی قیادت کے امتیاز اور بشارتِ مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ پیشین گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حفاظت بھی انہی کے جوشِ ایمانی، حب رسول وحب صحابہ وغیرت ملّی کی بدولت پوری ہوئی اور آپ کی پیشین گوئی کا کہ

یدفن عند سور القسطنطینیۃ رجل صالح (العقد الفرید ج ۳ ص ۱۳۲)

یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مردِ صالح دفن ہوگا۔ عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد وجوان صالح کے تہوّرانہ اقدام سے ہوا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۶۶ وتحقیق مزید ص ۳۲۵)

قدیم وجدید مؤرخین کے بیان کردہ اس واقعہ سے واضح اور ناقابل انکار طریقہ پر معلوم ہوا کہ:۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی زبان سے مغفرت وبخشش کی بشارت پانے والے لشکر میں سیدنا یزید نہ صرف شریک ہی تھے بلکہ اس جنتی فوج کی قیادت و امامت اور امارت کے فرائض بھی آپ ہی نے انجام دیئے ـــــ بقول حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ یہ ایسی فضیلت ومنقبت ہے جسے سیدنا یزید بن معاویہؓ کی "کتاب الفضائل" سے ہرگز نہیں کھرچا جاسکتا۔

۲ـــ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بہت سے اکابر صحابہؓ کے علاوہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی طرح سیدنا یزیدؒ نے بھی اس مہم میں شمولیت و شرکت خالصۃً "بشارت نبوی" حاصل کرنے کی خاطر اختیار فرمائی۔

۳۔ کئی مہینے جاری رہنے والی اس جنگی کاروائی کے دوران حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سمیت تمام صحابہؓ اور دیگر سارے مجاہدین نے امیر یزیدؒ کے زیرِ قیادت اور تابعِ فرمان رہ کر جہاد جیسا دینی فریضہ انجام دے کر — اور ان ہی کی امامت و پیشوائی میں مسلسل فرائض پنجگانہ ادا کرکے، سیدنا یزیدؒ کی مومنانہ قیادت و صلاحیت پر مُہرِ تصدیق ثبت فرمائی، جسے بعد میں آنے والے "تقیہ باز" یہودیوں، مجوسیوں کے اڑائے ہوئے روایاتی گرد و غبار کے ذریعہ دھندلا نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ جہاد قسطنطنیہ کے دوران سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی بیماری، وصیت، وفات اور تدفین کے سلسلہ میں مسلم اور سبائی سارے مؤرخین کی بیان کردہ تفصیلات، سیدنا یزیدؒ کی سعادت، جرأت اور فضیلت کا ایسا محکم اور ناقابل تردید ثبوت ہی نہیں، جسے حد درجہ دشمنی و عداوت کے باوجود سبائی و روافض بھی چھپانے کی قدرت نہیں رکھتے — بلکہ قلعۂ قسطنطنیہ کے دامن میں میزبانِ رسول صلوٰۃ اللہ وسلامہٗ علیہ کا پُرہجوم مزار آج بھی مجاہد قسطنطنیہ سیدنا یزیدؒ کی فلک بوس عظمتوں اور رفعتوں کا کھلے بندوں اعلان کر رہا ہے، لیکن ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور ہے کیا آفتاب کا

جہادِ قسطنطنیہ اور بشارتِ مغفرت کے سلسلہ میں اس سیر حاصل گفتگو کے بعد اگرچہ کسی حق پرست اور انصاف پسند شخص کے لئے مزید تفصیل و دلیل و قال کی ضرورت نہیں۔ لیکن چونکہ بعض سرپھروں اور بیمار طبیعت عناصر نے اس واضح اور اٹل تاریخی حقیقت تک نہیں — نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم

جواب اول ـــــ سیدنا یزیدؒ کی شرکت جہاد سے متعلق ۔ صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۵۸ باب صلوٰۃ النوافل جماعۃً والی صاف وصریح روایت اور علامہ قسطلانیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ بدر الدین عینیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ذہبی، حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ ـــــ اور شیعہ مؤرخ علامہ ابن جریر طبری وغیرہ محدثین و مورخین کی وہ عبارات جو ہم گذشتہ اوراق میں درج کر آئے ہیں، انہیں ایک مرتبہ پھر بغور دیکھ لیا جائے ۔ اشکال کے اس حصہ کے سلسلہ میں وہ کافی، وافی اور شافی ثابت ہوں گی ـــــ اس لئے اس موضوع پر مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ۔

جواب دوم ـــــ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں جس طرح حضرت ابو ایوب انصاریؓ وغیرہ صحابہ کرام نے حصول مغفرت کی غرض سے شمولیت فرمائی تھی، بالکل اسی طرح حضرت یزیدؒ نے بھی "حدیث مغفرت" کے پیش نظر خلوص دل سے نہ صرف شرکت فرمائی، بلکہ امارت کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیئے ـــــ

ـــ إنّ يزيد غزا القسطنطينية لاجل هذا الحديث (منہاج السنۃ ص ۲۴۵ ج ۲)

ـــ اگر سیدنا یزیدؒ کا مقصود "حصول مغفرت" نہ ہوتا تو اس گرم موسم میں راحت و آرام اور وطن چھوڑ کر اتنے دور دراز علاقے میں سفر و جہاد کی صعوبتیں کیوں برداشت کرتے ۔

ارشاد ربانی ہے :۔

ومن يخرج من بيته مهاجراً الى الله ورسوله ثم يدركه الموت فقد وقع اجره على الله وكان الله غفوراً رحيماً ط

(نساء : پ۵)

"جو شخص اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے، پھر اسے موت آجائے ۔ تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو چکا ۔ اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں"

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان خلوص نیت کے ساتھ ہجرت یا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر، گھر سے نکل کھڑا ہو ۔ اب اگر وہ منزل تک نہ بھی پہنچ سکے پھر بھی اللہ کی طرف سے اجر و ثواب اور رحمت و مغفرت کا حقدار ہوگا ۔ بنابریں نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں، آپ ہی کی بیان فرمودہ بشارت مغفرت حاصل کرنے کی نیت سے قسطنطنیہ پر پہلی بار جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے لشکر کے امیر اور سالار، سیدنا امیر یزیدؒ کس دلیل سے مغفرت و بخشش کے مستحق قرار نہیں دیئے جا سکتے ۔

جواب سوم ـــــ ۔ علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

ثم كان امير الجيش الثاني يزيد بن معاوية في غزوة القسطنطينية .... وهذا من اعظم دلائل النبوة ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۹)

"دوسرے لشکر کے سپہ سالار قسطنطنیہ کے جہاد میں، امیر یزیدؒ بن معاویہؓ تھے ـــ اور یہ پیشین گوئی دلائل النبوۃ میں سے ہے"

مزید تحریر فرماتے ہیں :۔

والغزوة الثانية غزوة قسطنطينية مع اول جيش غزاها وكان اميرها يزيد بن معاوية بن ابي سفيان ---- وكان معهم ابو ايوب خالد بن زيد الانصاري فمات هنالك رضي الله عنه وارضاه ---- فهذا الحديث فيه

ثلاث آیات من دلائل النبوة، الاخبار عن الغزو وتین و الاخبار عن المرأة بانها من الاولین ولیست من الآخرین وکذلک وقع صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ۔

(البدایہ والنہایہ ج۶ ص ۲۲۳)

"دوسرے غزوے سے مراد غزوۂ قسطنطنیہ ہے۔ جو امیر یزیدؒ بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی زیر قیادت لشکر کے ذریعہ قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کی صورت میں درپیش ہوا — ان کے ساتھ حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاریؓ بھی شریک جہاد تھے۔ ان کا وہیں انتقال ہوا۔

اس حدیث میں نبوت کی تین نشانیاں (دلائل نبوت) پائی جاتی ہیں۔

اوّل — قُبرص اور قسطنطنیہ پر دو جہادوں کا اظہار و اعلان کرنا۔

دوئم — حضرت ام حرامؓ کو پہلے لشکر میں شمولیت کی اطلاع دینا۔

سوم — ان ہر دو غزوات کا حسب فرمان نبویؐ واقع ہونا"

مندرجہ بالا تاریخی عبارات سے ثابت ہوا کہ رومی دار السلطنت قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کا زیر بحث ارشاد گرامی اور اس جہاد کے مناظر بحالت خواب مشاہدہ فرما کر زبان وحی ترجمان سے تمام مجاہدین کے لئے "مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ" جیسی انمول خوشخبری کا اعلان فرمانا۔ ایک عظیم ترین پیشین گوئی ہے جو اس اعلان ۸ھ ہجری کے برسوں بعد ۴۹ھ ہجری میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت راشدہ کے دور میں ان کے فرزند سیدنا یزیدؒ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

بلاشبہ حدیث مغفرت میں بیان کردہ پیشگوئی بقول علامہ ابن کثیرؒ دلائل نبوت میں سے ہے، جس کا حسب فرمان نبویؐ واقع ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا واقعاتی ثبوت ہے — بنابریں اس میں وارد

شدہ مغفرت و بخشش کو بعض شرکاء تک محدود کر کے بعض کو محروم سمجھنا، ارشادِ رسولؐ کی تحریف و توہین کے مترادف اور انکارِ نبوت کو مستلزم ہے — بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم تو بلا استثناء تمام شرکاءِ لشکر کو مغفرت یافتہ فرمائیں اور یہ سبائی ناقوس بردار، کسی عام شریک ہی کو نہیں بلکہ اس جنّتی فوج کے قائد، امیر اور سپہ سالار، سیدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کو مغفرت سے محروم قرار دیکر دلیلِ نبوت کے استخفاف و انکار پر آمادہ ہیں۔ حالانکہ پیشین گوئی کے الفاظ میں کسی قسم کی تخصیص وتعیین کی گنجائش کا امکان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بشارتِ مغفرت میں تعمیم کا کھلے بندوں یوں اظہار فرمایا ہے کہ:-

"چونکہ لشکر عدد معیّن کو کہا جاتا ہے اس لئے اس فوج کا ہر ہر فرد بشارتِ مغفرت میں شریک ہے۔" (منہاج السنّہ ج۲ ص ۲۵۲)

حاصل یہ کہ سیدنا یزیدؒ — شریک جہاد بلکہ امیر المجاہدین ہونے کی وجہ سے مغفرت ورحمت کے دوسروں سے کہیں زیادہ مستحق ہیں۔ انہیں بشارتِ مغفرت سے خارج اور محروم خیال کرنے والوں کو اپنے ایمان بالرسالت پر نظرِ ثانی کرنا چاہیے۔

جوابِ چہارم | جہاد قسطنطنیہ کے متعلق بشارتِ مغفرت چونکہ ایک پیشین گوئی ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے بارے میں غور کرتے چلیں کہ ان کی کیا حیثیت ہے؟

ہمارا ایمان ہے کہ نبی صادق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو نجومیوں جوتشیوں اور قیافہ شناسوں کی ان پیشگوئیوں کے مماثل قرار دینا قطعاً غلط ہے جو محض تخمین یا اٹکل کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں، جو کبھی درست ثابت ہوتی ہیں اور کبھی غلط۔ نیز ضرورت

نہیں درست ثابت کرنے کی خواہ مخواہ کوششیں کی جاتی ہیں ـــــ حَاشَا وَكَلَّا ـــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی بیان فرمودہ پیشین گوئیوں کے بارے میں ایسا سوچنا غلط اور بے بنیاد ہی نہیں، سراسر ایمان کے منافی بھی ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشین گوئیاں اٹکل پچو، اور محض اندازے اور قیافے کی بنیاد پر نہیں ہیں۔ بلکہ آپ نے کوئی بھی فیصلہ کن اطلاع بلا وحی آسمانی نہیں دی۔ آئندہ سے متعلق جو بھی صریح اور محکم خبر آپ کی زبان صدق سے صادر ہوئی وہ اللہ رب العزت کے دیئے ہوئے اس یقینی وقطعی علم کی روشنی میں تھی جس میں نہ کسی قسم کے کذب اور جھوٹ کا امکان ہے اور نہ ہی غلطی کا احتمال۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

بنابریں بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے سمندر اپنا رُخ موڑ سکتا ہے۔ نظام شمسی وقمری میں خلل واقع ہو سکتا ہے، لیکن نبی صادق صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی مبارک و پاکیزہ زبان سے نکلی ہوئی کوئی بھی پیشین گوئی نہ جھوٹی اور غلط ہو سکتی ہے اور نہ ہی من چاہی شرائط لگا کر اسے خانہ ساز تاویلات کی سان پر چڑھایا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن وسنت میں دو قسم کی پیشین گوئیاں بیان کی گئی ہیں:۔

پہلی قسم ـــــ وہ جن میں بعض اعمال وافعال کو پیشین گوئی کا مدار قرار دے کر بتلایا گیا کہ جس کسی نے فلاں عمل اختیار کیا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جس نے فلاں کام کیا وہ جہنم میں جائے گا۔ اس قسم کی پیشین گوئیوں کا تعلق چونکہ افعال و اعمال سے ہوتا ہے اس لئے ان میں کسی وقت یا شخص کی قید نہیں ہوا کرتی، بلکہ ان کی حیثیت دائمی وعمومی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پڑوسی کی مدد کرنے یا قرضدار

کا قرضہ ادا کرنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ـــــ اسی طرح ظالم کا ساتھ دینا، یتیموں کا مال اڑا لینا اور پڑوسی کو دکھ پہنچانا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جن پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان نیک وبد اعمال کا تعلق نہ کسی زمانہ تک محدود ہے اور نہ ہی کسی فرد اور گروہ کے ساتھ مخصوص۔ اس طرح کی پیشین گوئیاں ترغیب و ترہیب کا درجہ رکھتی ہیں، جن کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ فلاں عمل قابل قبول ہے اور فلاں قابل ترک۔ اب قیامت تک کوئی بھی شخص ان میں سے کسی عمل کو اختیار کرے گا، وہ اس کے نتیجہ میں بتائے ہوئے اچھے یا برے اثرات وثمرات کا مستحق ہوگا۔ ان عام اور غیر محدود پیشین گوئیوں میں بیان کردہ بشارت کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نیک عمل پر عامل شخص جب تک اس پر عمل کرتا رہے اور اس کے منافی امور کا مرتکب نہ ہو، اس وقت تک وہ بشارت کا حقدار ہوگا اور جب اسے چھوڑ دے یا اس کے خلاف عمل پیرا ہو جائے تو وہ اس بشارت کے استحقاق سے محروم قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کی بشارات کا دار و مدار خاص عمل پر تھا جب وہ ہی نہ رہا تو بشارت کیسی۔

دوسری قسم کی پیشین گوئیاں وہ ہیں جن کا تعلق مخصوص زمانہ اور متعین افراد اور گروہوں سے ہے، مثال کے طور پر قرآن مجید نے ابولہب کا نام لے کر جہنمی قرار دیا ـــــ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب عبد مناف کے بارے میں کہا کہ انہیں جہنمی جوتے پہنائے جائیں گے جس سے ان کا دماغ اوٹتے پانی کی طرح کھولتا ہوگا ـــــ یا ایک مجاہد (قزمان) کے متعلق حضور علیہ السلام نے دوزخی ہونے کی اطلاع دی، حالانکہ وہ حد درجہ پامردی وشجاعت کے ساتھ کافروں کے مقابلہ میں برسرپیکار تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خبر دی کہ یہ شخص دینی جذبہ سے نہیں بلکہ قومی عصبیت میں لڑ رہا ہے اور یہ خودکشی کر کے

مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ میں لگے ہوئے زخموں کی تاب نہ لا کر اس نے خودکشی کرلی۔

اس قسم کی پیشین گوئیاں چونکہ کسی فعل کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتیں بلکہ ان میں بیان کردہ بشارات اور وعیدوں کا تعلق مشخص و متعین افراد سے ہوا کرتا ہے، اس لئے ان میں نہ کسی چون وچرا کی گنجائش ہے اور نہ ہی کسی استثنائی گفتگو کی کھپت، بلکہ اس طرح کی تمام بشارات وغیرہ کو بالکل اسی طرح قبول وتسلیم کرنا لازمی ہے جس طرح رسول مکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔

مجاہدینِ قسطنطنیہ کے بارے میں جس بشارت وخوشخبری پر گفتگو ہو رہی ہے وہ اسی دوسری ہی قسم میں داخل ہے ـــــ اس سلسلۂ کلام کے شروع میں نقل کردہ حضرت امِ حرام رضی والی صحیح بخاری کی روایت ایک مرتبہ پھر بغور ملاحظہ فرمالیں، جس سے واضح طور پر معلوم ہوگا کہ حدیثِ مغفرت میں خاص وقت اور مخصوص گروہ کے حق میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، تو گویا نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے قسطنطنیہ پر پہلی بار چڑھائی کرنے والے لشکر میں شریک تمام مجاہدین کو جنت ومغفرت کے لئے نامزد فرما کر اس بات کا اعلان فرمادیا کہ ان مجاہدین میں سے کوئی ایک شریک بھی زندگی کے مرحلہ میں کسی ایسے فعل کا مرتکب نہ ہوگا جس سے اس مغفرت والی پیشین گوئی کی سچائی وصداقت خطرے میں پڑ جائے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں مجاہدین کی مغفرت کے لئے کسی بھی طرح کی کوئی شرط عائد نہیں کی گئی، بلکہ غیر مشروط طور پر فرمایا گیا کہ :-

میری امت کا وہ پہلا لشکر مغفرت یافتہ ہے جو پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا۔

اب اس صاف وصریح اور نامزد پیشین گوئی کے ذریعہ حاصل شدہ مغفرت سے امیر لشکر سیدنا یزید رحمہ اللہ یا کسی دوسرے مجاہد کو کیونکر خارج کیا جاسکتا ہے ـــــ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی غیر مشروط اور لشکر کے ایک ایک فرد کو شامل بشارت میں اپنی طرف سے طرح طرح کی شرائط کا اضافہ کرکے، یا اپنی خواہش کے بل پر حاملینِ بشارت میں قطع وبرید کرنے کے بعد بھی ارشادات نبوی پر ایمان کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم تو اللہ سے وحی پاکر اعلان فرمائیں کہ قسطنطنیہ پر پہلا جہاد کرنے والے تمام افراد مغفرت یافتہ ہیں۔ اور ایمان کا دعویٰ رکھنے والا کوئی شخص یہ کہے کہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والے اس جنتی لشکر کے امیر اور سپہ سالار سیدنا یزید رحمہ اللہ ہی اس مغفرت میں داخل وشامل نہیں ـــ کیونکہ اس جہاد کے بعد ان کے احوال بدل گئے تھے۔ اس لئے امیر یزید بن معاویہ رض جہاد قسطنطنیہ تک تو بشارت کے حقدار تھے لیکن اس کے بعد وہ بشارت ومغفرت کے مستحق نہ رہے۔

ھم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشین گوئیاں عام انسانوں، نجومیوں اور اٹکل پرستوں کی طرح ہرگز نہیں ـــــ آپ نے جو پیشین گوئیاں فرمائیں اور کسی کے دوزخی وجنتی ہونے کا اعلان فرمایا وہ محض اپنے قیافے اور اندازے سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی وارشاد کے مطابق فرمایا۔ اور چونکہ یہ ایک طے شدہ ومسلّمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل کی تمام کیفیات واحوال سے ہر آن باخبر ہے، زمین وآسمان میں کوئی باریک سے باریک چیز بھی اسکے علم سے مخفی وپوشیدہ نہیں۔ وہ نہ صرف ظاہری چیزوں، بلکہ سینوں میں چھپے ہوئے ارادوں اور بھیدوں پر بھی مطلع ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (پ ۳)

اس لئے اگر سیدنا یزیدؒ شروع ہی سے بدچلن ہوتے ۔ یا جہادِ قسطنطنیہ کے بعد اُن کے اعمال و احوال اس درجہ متغیر ہونے والے ہوتے کہ انہیں بشارتِ مغفرت ہی سے نکالنا پڑے گا، تو اس کا سب سے زیادہ علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا۔ پھر وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وصحابہ وسلم کی زبان سے ایسی بشارت ہرگز نہ دلواتے جس کے عموم و شمول میں یزید بن معاویہؓ کی شرکت کا امکان رہ سکتا، بلکہ بشارت و پیشینگوئی کے الفاظ میں کوئی قید یا شرط ایسی ضرور ہوتی جس سے استثناء کی گنجائش نکل سکتی، حالانکہ بشارت کے الفاظ میں ایسی کسی شرط کا ذکر موجود نہیں ہے اور اسی لئے قدیم وجدید مؤرخین ومحدثین کرام نے اس غیر مشروط بشارت میں جنتی لشکر کے سپہ سالار، سیدنا یزیدؒ کو واضح طور پر شامل قرار دیا ہے، جیسا کہ پچھلے اوراق میں نقل کردہ حوالوں میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

بایں ہمہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ جہادِ قسطنطنیہ تک تو مغفرت میں شریک رہے، لیکن بعد میں حالات کی تبدیلی کے باعث وہ اس مغفرت والی بشارت سے محروم شمار کئے جائیں گے، تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ ایسا شخص درحقیقت کہنا یہ چاہتا ہے کہ:

> اللہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ یزیدؒ جیسا غلط آدمی اس لشکر میں شریک ہوگا۔ یا اس جہاد کے بعد اس کے اعمال و کردار اسقدر بگڑ جائیں گے کہ "بیک بینی و دوگوش" اسے بشارتِ مغفرت سے نکال باہر کرنے کی ضرورت پڑ جائے گی، اگر واقعی اللہ کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا تو وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیشینگوئی کراتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھتا کہ یزید بن معاویہؒ بشارتِ مغفرت میں کسی طرح سے داخل نہ ہونے پائیں۔

سیدنا یزیدؒ کی لگن اور عملی دلچسپیوں کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ قلعۂ قسطنطنیہ کی بلند اور مضبوط فصیل تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے یہ فضائی پروگرام آپ ہی کی ہدایت کے مطابق تیار کیا گیا ـــــ اگرچہ انسانی تاریخ میں سب سے پہلی بار، وقتی و ہنگامی طور پر تیار کیا جانے والا یہ ہوائی جہاز۔ ایک ابتدائی تجربہ تھا جو خاطر خواہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تاہم یہ ماننا ہوگا کہ "فضائیہ" کی تاریخ میں یہی وہ پہلا اور بنیادی قدم ہے جس کی پیشقدمی کا شرف اسلامی بحریہ کے بانی و موجد سیدنا معاویہؓ کے قابلِ فخر فرزند سیدنا حضرت یزیدؒ کو حاصل ہے۔

امارتِ حج: جہادِ قسطنطنیہ سے فراغت کے بعد، ۵۱ھ و ۵۲ھ اور ۵۳ھ ہجری میں تین سال مسلسل سیدنا یزیدؒ نے امیر الحج کی حیثیت سے لوگوں کو حج کرائے۔ علامہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

حج بالناس یزید بن معاویۃ فی سنۃ احدی وخمسین وثنتین وخمسین وثلاث وخمسین۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۹)

"امیر یزیدؒ بن معاویہؓ نے ۵۱-۵۲-۵۳ ہجری میں لوگوں کو حج کرایا"

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری نے بھی ۵۱ھ ہجری کے احوال میں سیدنا یزیدؒ کی امارتِ حج کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

وحج بالناس فی ھذہ السنۃ یزید بن معاویۃ

(طبری طبع مصر ج ۶ ص ۱۶۱)

امیر حج یزید بن معاویہؓ ـــــ اس سال یزید بن معاویہؓ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا۔

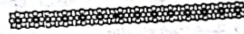
(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۱۳۰)

امارتِ حج کا منصب صرف سیاسی و انتظامی حیثیت ہی سے نہیں۔ دینی

و مذہبی اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے ـــــ فتح مکہ کے بعد ۹ھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم نے اپنے نائب بطور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا ـــــ ۱۰ھ ہجری، حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے بذاتِ خود امارتِ حج کے فرائض انجام دیئے۔ حضرات خلفائے راشدین، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال امیر الحج کی حیثیت سے مکہ معظمہ تشریف لاتے رہے، البتہ جس سال حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت واقع ہوئی، اس سال آپ نے عجمی شورشوں اور ہنگامی آرائی کے پیش نظر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا اور انہوں نے خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کی طرف سے نائب ہو کر امارت حج کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ سیدنا علیؓ کو اپنے پورے آزمائشی عہد میں ایک بار بھی خود حج کے لئے آنے کا موقعہ نہ مل سکا ـــــ علامہ ابن کثیرؒ ص ۱۳۳ ج ۸ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ دورِ خلافت میں دو مرتبہ خود امارتِ حج کے فرائض انجام دیئے اور بقیہ برسوں میں آپ کے نائبین نے یہ مقدس فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ تین سال متواتر سیدنا یزیدؒ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کے نائب بطور امیر الحج کے منصب پر فائز رہ کر لوگوں کو فریضۂ حج ادا کرایا۔

قسطنطنیہ پر جہادی مہم کے بعد، تین سال مسلسل امارتِ حج جیسے اہم اور مقدس منصب پر فائز رہنا سیدنا یزیدؒ کی سیاسی و دینی صلاحیت و صالحیت کا ایسا منہ بولتا ثبوت ہے، جس کے سامنے عجمی منافقوں اور نقاب پوش مجوسیوں کی طرف سے آپ پر لگائے گئے تمام الزامات تارِ عنکبوت ہیں۔ اگر بقول منافقینِ عجم، سیدنا یزیدؒ کے کردار میں کوئی خامی و خرابی ہوتی جس کے سبب آپ اپنے ہم عصر لوگوں کی نگاہ میں غیر صالح اور ناپسندیدہ ہوتے

تو حضرات صحابہ اور دیگر تابعین جہاد قسطنطنیہ میں آپ کی قائدانہ صلاحیت اور اس کے بعد تین سال تک متواتر آپ کی زیر قیادت حج جیسا اہم اسلامی رکن ادا کر کے آپ کی دینی صالحیت پر کیوں مہر تصدیق ثبت کرتے ـــ قائد جہاد قسطنطنیہ و امیر حج سیدنا یزیدؒ کے دامن پر سبائی فنکاروں کے لگائے ہوئے داغ، دھبوں کو مان کر ان بے شمار صحابہ اور قرن اول کے تابعینؒ کی عظمت کا تحفظ کیسے ممکن ہے جنہوں نے ان موقعوں پر آپ کی ہدایات پر عمل کیا۔ آپ کی قیادت میں مناسکِ حج ادا کئے۔ آپ کے مواعظ و خطبات میں بالالتزام حاضر رہے اور آپ ہی کی امامت میں صلاۃِ پنجگانہ پڑھیں۔



ولی عہدی

- پس منظر
- سبائی افتراق انگیزی
- حضرت مغیرہؓ کی تحریک
- نمائندہ اجلاس
- اجماعی بیعت
- امہات المومنینؓ
- اصحاب عشرہ مبشرہؓ
- اصحاب بدرؓ
- اصحاب بیعت رضوانؓ
- دیگر صحابۂ کرامؓ

ولی عہدی

پس منظر | خلیفۂ سوم، دامادِ نبی، رفیق رسول، سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ اور دردناک شہادت کے بعد بلوائیوں اور قاتلوں نے سوچے سمجھے پروگرام کے ماتحت، اپنے اثر و طاقت کے بل پر حضرت علیؓ کی خلافت کے قیام کا اعلان کیا۔ اور اہلِ مدینہ کے معزز و محترم حضرات کو زبردستی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا ــــ سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے مالک اشتر نامی ایک شخص نے بیعت کی، جو سیدنا امام مظلوم حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش و ہنگامۂ قتل میں پیش پیش تھا۔

مشہور مصری مؤرخ علامہ خضری بک تحریر فرماتے ہیں:۔

"کوفیوں کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر سب سے پہلے اشتر نے بیعت کی۔"

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۴۸)

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:۔

"لوگ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر لائے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا تم بھی بیعت کرو، حضرت سعدؓ نے فرمایا جب سب لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی بیعت کر لوں گا ــــــــ

اس کے بعد لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر لائے جب حضرت علیؓ نے ان سے بیعت کے لئے کہا تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت سعدؓ نے دیا تھا۔ اس پر حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ اپنا کوئی ضامن پیش کرو۔ ابن عمرؓ نے فرمایا میرے پاس کوئی ضامن نہیں ہے۔ اشتر نخعی نے کھڑے ہو کر عرض کیا مجھے اجازت دیجیئے کہ میں

اس کی گردن اتار دوں۔" (تاریخ طبری اردو ج ۴ ص ۲۸)

یہی علامہ طبری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ :-

"جب لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کی تو انہوں نے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلوایا۔ طلحہؓ نے بیعت سے پس و پیش کیا۔ مالک اشتر نخعی تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور بولا خدا کی قسم اے طلحہ! یا تو تُو بیعت کر لے ورنہ میں یہ تلوار تیری پیشانی میں بھونک دوں گا ـــــ اس کے بعد انہوں نے علیؓ کی بیعت کی۔ پھر زبیرؓ نے بیعت کی۔" (تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹)

حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد میں ان شر پسند بلوائیوں کی شرکت و تسلط اور پھر حصول بیعت کے لئے نہ صرف عام لوگوں بلکہ اکابر صحابہؓ تک پر اس قدر شدت و سختی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرات صحابہ کی بڑی تعداد اور امت مسلمہ کی ناقابل تسخیر اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت سے کنارہ کشی اختیار کر لی ـــــ اور پھر نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ آپ کا ساڑھے چار سالہ دورِ اندرونی خلفشار، طوائف الملوکی اور حصول و استحکامِ حکومت کے لئے کشت و خون اور قتل و غارت گری کی نذر ہو گیا ـــــ خدمتِ دین، اسلامی فتوحات، تمکین فی الارض، باہمی الفت و بھائی چارگی اور امن و اطمینان کی وہ تمام نعمتیں خانہ جنگیوں کی بھینٹ چڑھ کر رہ گئیں جو حضرات خلفائے ثلاثہؓ کے عہدِ مبارک میں مسلمان قوم کو حاصل تھیں۔ اور جنہیں آیت استخلاف میں خلافتِ راشدہ کے لازمی شرائط اور خصوصی اوصاف کے طور پر بیان کیا گیا ہے :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (پ ۱۸ سورۂ نور)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا، اسے ان کے واسطے قوت دے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا (بشرطیکہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور جو اس کے بعد بھی انکار کریں وہ ہی لوگ نافرمان ہیں۔"

بقول، امام الہند، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ :

مقاتلاتِ وے برائے طلبِ خلافت بود نہ بجہت اسلام

(ازالۃ الخفا ج ۲ : ص ۲۹۸)

"یعنی آپ کی تمام جنگیں طلبِ خلافت کے لئے ہوئیں نہ کہ اسلام کی خاطر"

چنانچہ سیدنا علیؓ کے عہدِ حکمرانی میں نہ کفار سے جہاد ہوئے۔ اور نہ ہی اسلامی فتوحات و خدمات میں کسی قسم کا اضافہ ہو سکا، البتہ سبائی منافقین کے بپا کردہ شرور و فتن سے بھرے دور میں تین مرتبہ ہلاکت خیز خانہ جنگیوں کا مظاہرہ ہوا جن میں پانی کی طرح بہائے جانے والا "مسلم خون" آج بھی فریاد کناں ہے ـــــ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۔

جمادی الآخرہ ۳۶ہجری جنگِ جمل کے موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے قافلہ پر شب خون کے ذریعہ جنگ مسلط کی گئی، جس کے نتیجہ میں تیرا ہزار آدمی قتل ہوئے۔

صفر ۳۷ہجری میں صفّین کے مقام پر کاتب وحی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے خلاف فوج کشی کی گئی، جس میں ساٹھ ۶۰ ستّر ہزار انسانوں کا خون بہا۔
۳۹ہجری کو جنگ نہروان ہوئی، جس میں برادر کشی سے تنگ آئے ہوئے، جنگ سے کنارہ کش ان ڈھائی ہزار سے زائد افراد کو بقول علامہ طبری اڑسٹھ ۶۸ ہزار کی علوی فوج نے موت کے گھاٹ اتار دیا، جنہیں عام طور پر خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن اس قدر عظیم خونریزی اور بے محابا قتل عام کے باوجود حکومت وخلافت کو استحکام نہ مل سکا، اور نہ ہی مسلمانوں کو اجتماعیت وسکون کی دولت نصیب ہو سکی۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ ارقام فرماتے ہیں:۔

ان کثیراً من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبایعوہ ولم یبایع سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما (منہاج السنہ ج۲ ص ۲۳۷)

"مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف ملّت نے یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے ان کی بیعت نہیں کی۔ نہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے بیعت کی اور نہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے اور نہ کسی دوسرے نے"
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مزید لکھتے ہیں:۔

فان الثلاثۃ اجتمعت الامۃ علیھم فحصل بھم مقصود الامامۃ وقوتل بھم الکفار وفتحت الامصار۔ و خلافۃ علیؓ لم یقاتل فیھا کافر ولا فتح مصر وانما کان السیف بین اھل القبلۃ۔

(منہاج السنہ ج۱ ص ۱۴۵)

"حضرات خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضؓ)

کی خلافت پر پوری امت کا اتفاق واجتماع تھا، اس لئے ان کے ذریعہ خلافت کا مقصود حاصل ہو گیا تھا، ان کے زمانہ میں کفار سے جہاد ہوئے، اور بہت سے شہر فتح کئے گئے، بخلاف حضرت علیؓ، کہ ان کے دور میں نہ کافروں سے جہاد ہوا، نہ ہی کوئی علاقہ فتح ہو سکا، بلکہ مسلمانوں ہی میں تلوار چلتی رہی"
ایک اور مقام پر یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

لم یظھر فی خلافتہ دین الاسلام بل وقعت الفتنۃ بین اھلہ وطمع فیھم عدوھم من الکفار والنصاریٰ والمجوس بالشام والمشرق۔

(منہاج السنہ ج۲ ص ۱۳۸)

"حضرت علیؓ کے دور میں دین اسلام کو شوکت وعظمت نہ مل سکی، بلکہ مسلمانوں ہی میں فتنہ وفساد برپا رہا، روم وایران کے کفّار، مجوس اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے تباہ کرنے کی طمع پیدا ہوئی"
شیعہ مؤرّخ علامہ ابن ابی الحدید، اپنے شیخ ابو جعفر الاسکافی سے نقل کرتے ہیں:۔

کان اھل البصرۃ کلھم یبغضونہ وکثیرٌ من اھل الکوفۃ وکثیرٌ من اھل المدینۃ واما اھل مکۃ کانوا یبغضونہ قاطبۃً وکانت قریش کلھا علی خلافہ وکان جمھور الخلق مع بنی امیۃ علیہ۔ ودوی عبد الملک بن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ قال سمعت علیّاً وھو یقول ما لقی احد من الناس ما

لقيت من امتك ۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید بحوالہ تحقیقِ مزید ص ۹۶)

"بصرے کے تمام اور کوفہ و مدینہ کے اکثر باشندے حضرت علیؓ سے متنفر تھے۔ نیز تمام اہل مکہ ان سے متنفر اور تمام قریش ان کے مخالف تھے۔ غرضیکہ جمہورِ امت ان کے مقابلہ میں بنی امیہ کے طرفدار تھے۔ عبدالملک بن عمیر، عبدالرحمن بن ابی بکرۃ کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ انسانوں میں سے کسی کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی جو مجھے آئی۔ یہ کہہ کر آپؓ رونے لگے۔"

بالآخر ۴۰ھ ہجری میں حضرت علیؓ اپنی ہی سیاسی پارٹی کے ایک رکن عبدالرحمن بن ملجم کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے ــــــ سیدنا علیؓ نے زخمی ہونے کے بعد اپنے بڑے صاحبزادے سیدنا حسنؓ کو نماز کے لئے اپنا جانشین و نائب مقرر کیا، اس زمانہ میں نماز کی نیابت آئندہ خلافت کے لئے جانشینی خیال کی جاتی تھی۔ شیعہ محقق ملا باقر مجلسی ایرانی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نہ صرف صلاۃ پنجگانہ کی نیابت پر مقرر فرما کر، بلکہ اپنے بعد نامزد خلیفہ کی حیثیت سے واضح اعلان کر کے حضرت علیؓ نے باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی و ولی عہدی کا سلسلہ شروع کیا:۔

"کلینی و ابن بابویہ و شیخ مفید اور جملہ محدثین نے بطریق بسیار امام حسن و امام موسیٰ کاظم و سلیم بن قیس ہلالی سے روایت کی ہے کہ وقتِ وصیت جناب امیرؑ نے تمام فرزندوں و اہل بیت اور اپنے مردانِ شیعہ کو جمع فرمایا۔ اور امام حسنؓ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔"

(جلاء العیون اردو ج ۱ ص ۲۶۹ و ۳۳۳)۔

وفات سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو نصیحت کی:۔

"میرے مرنے کے بعد حضرت معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا، ان کے امیر المؤمنین ہو جانے سے کراہت محسوس نہ کرنا، کیونکہ ان کو بھی تم نے گنوا دیا تو اختلاف و انتشار کے تلخ ترین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔"

(ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۳۶ وغیرہ)

تاریخ ابن کثیرؒ میں ہے کہ آپؓ نے صفین سے واپسی کے بعد عام تقریریں میں یہ کہا تھا کہ:۔

ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة فانکم لو فقدتموه رأیتم الرؤوس تندر عن کواهلها کأنها الحنظل ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۱)

"اے لوگو! معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا، کیونکہ اگر تم نے ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر اندرائن کی مانند کٹ کٹ کر گریں گے۔"

ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔

ان معاویة سیلی الامر، فواللہ لو سرنا الیه بالجبال والشجر ما شککت انه سیظهر، ان اللہ لا معقب لحکمه ولا راد لقضائه ۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۶۴)

"حضرت معاویہؓ عنقریب خلیفہ ہو کر رہیں گے، خواہ ہم کتنی ہی پہاڑ اور درختوں جیسی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے کو نکلیں، لیکن وہی غالب رہیں گے، کیونکہ منشائے خداوندی کو ٹالا نہیں جا سکتا۔"

بہرحال سیدنا علیؓ کی نامزدگی اور ہدایت کے مطابق، ان کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے سیدنا حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ــــ لیکن حضرت حسنؓ

لئے ان سے بہتر لوگ بدل دے اور ان کے لئے مجھ سے بدتر شخص بدل دے۔
اے اللہ! ان کے دلوں کو پانی میں گھلتے ہوئے نمک کی مانند پگھلا دے۔"

قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحاً وشحنتم صدری غیظاً وجرعتمونی نغب التہمام انفاساً، افسدتم علیّ رأیی بالعصیان والخذلان حتی قالت قریش ان ابن ابی طالب رجل شجاع ولکن لا علم لہ بالحرب۔ (نہج البلاغہ ج۱ ص ۶۶)

"اللہ تمہیں برباد کرے، تم نے میرا دل پیپ اور میرا سینہ غصہ سے بھر دیا اور تم نے مجھے مسلسل غم دیئے اور نافرمانی و نقصان سے میری رائے خراب کی حتیٰ کہ قریش کہنے لگے کہ ابو طالب کا بیٹا (علی) آدمی تو بہادر ہے لیکن جنگی معاملات میں لاعلم ہے۔"

لوددت ان اللہ فرّق بینی وبینکم والحقنی بمن ھو احق بی منکم۔ (نہج البلاغہ ج۱ ص ۲۲۸)

"میری دلی تمنا ہے کہ اللہ مجھے تم سے جدا کر دے اور مجھے ان لوگوں سے ملا دے جو میرے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔"

سیدنا حضرت معاویہؓ کی خلافت کے انعقاد پر برسوں سے قائم خانہ جنگی ختم ہو گئی ــــــ تمام صحابہؓ اور دیگر سب ہی لوگوں نے بلا اختلاف آپ کو خلیفہ برحق اور واجب الاطاعت امام تسلیم کر لیا، اسی مناسبت سے ۴۱ھ ہجری کا یہ سال

____ مختصر یہ کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ عہد خلافت میں نہ صرف اسلام اور مسلمان بلکہ انسانیت کو بھرپور فائدہ پہنچایا، تسخیر و جہانگیری اور حکمرانی و جہانبانی کے اعلیٰ ترین مظاہر کے علاوہ آپ نے حق و صداقت، عدل و انصاف اور امن و عافیت کا وہ معیاری نظام قائم کیا جو صرف اس دور کے لئے ہی انفع و انسب نہیں، ہمعصر صحابہؓ و تابعین اور بعد کے اہل انصاف کی تحسین و آفرین کا بجا طور پر مستحق بھی تھا۔

حضرت قبیصہؓ بن جابر اسدی فرماتے ہیں کہ:۔

"میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہا ہوں، میں نے ان سے بڑھ کر محبوب دوست اور ظاہر و باطن کو یکساں رکھنے والا کسی دوسرے کو نہیں دیکھا۔"

(تاریخ طبری اردو ج۵ ص۱۷۴)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔" (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۳۳)

امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر تم حضرت معاویہؓ کا زمانہ دیکھ لیتے تو تم کو معلوم ہوتا کہ حکمرانی اور انصاف کیا چیز ہے ـــ لوگوں نے دریافت کیا، آپ ان کے حلم کی بابت کہہ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، نہیں اللہ کی قسم ان کے عدل کی بابت کہہ رہا ہوں۔"

(العواصم ص۲۳۳، المنتقیٰ ص۲۳۳)

برسوں کی خانہ جنگی و انتشار اور جمل و صفین اور نہروان وغیرہ جنگوں میں لاکھ کے قریب مسلمانوں کے اتلاف کے بعد ـــ مسلسل جد و جہد اور دن، رات جانفشانی سے حاصل شدہ امن و سلامتی، اتفاق و اتحاد اور ترقی و

سربلندی اسلام کا یہ مبارک دور سیدنا معاویہؓ کے بعد پھر سیاسی طبع آزمائیوں کی قربانگاہ پر ذبح ہونے کے لئے یونہی چھوڑ دیا جائے یا اس کے قیام و دوام اور تحفظ کے پیش نظر قبل از وقت کوئی ایسا بند و بست کیا جانا چاہیئے، تاکہ عہد علوی سی سابقہ تباہ کاری و ہلاکت سامانی سے اسلام اور مسلمان قوم آئندہ دوچار نہ ہو۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ایک مرتبہ خود، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اپنی بے چینی کا ان لفظوں میں اظہار فرمایا تھا:۔

انی خفت ان اذر الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ لیس لھا راع۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۸۰)

"مجھے ڈر ہے کہ میں قوم کو بکریوں کے پراگندہ گلے کی طرح چھوڑ کر چلا جاؤں جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو۔"

یہ تھا وہ چیلنج اور وقت کا اہم ترین تقاضا جو سیدنا معاویہؓ کے عہد اخیر میں اکابر صحابہؓ کو بے چین کئے ہوئے تھا۔ اور وہ اسے حل کرنے میں سرگرداں و کوشاں تھے ـــ وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے سیدنا صدیق اکبرؓ کو مصلیٰ امامت پر فائز فرما کر عملاً انہیں اپنا جانشین و نائب مقرر فرمایا ـــ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا ـــ اور سیدنا فاروق اعظمؓ نے بحالت زخمی چھ افراد پر مشتمل انتخابی کمیٹی نامزد کی، یہ سب کچھ اسی لئے تھا کہ ہر پیش رو کے بعد حصول اقتدار کی رسہ کشی کے امکانات کو حتی المقدور روک دیا جائے، لیکن سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو اس طرح کی کوئی تدبیر اختیار کرنے کا موقع نہ مل سکا، یا یوں کہہ لیجئے کہ ان شرپسند عناصر نے جو ایک سوچے سمجھے منصوبے اور طے شدہ پروگرام سے پرشورش و ہنگامہ کھڑا کئے ہوئے تھے، ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اسلامی خلافت

کے مستقبل کے تحفظ سے متعلق کچھ کر گزرنا تو در کنار، سوچنا بھی ممکن نہ رہا تھا ـــــ بنا بریں اب بھی اگر وقت سے پہلے توجہ نہ کی گئی تو عین ممکن ہے کہ تاریخ ایک بار پھر ان حالات و کوائف کا اعادہ کرے جن کے بد نتائج کی کسک رہتی دنیا تک محسوس کی جاتی رہے گی۔

سبائی افتراق انگیزی | حضرت حسنؓ کی سپردگیٔ خلافت کے بعد، کوفہ کے سازشی لوگوں کی سرگرمیاں یکدم سرد پڑ گئیں ـــــ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی انتظامی صلاحیت، دور رس بصیرت اور بیدار مغزی ـــــ اور آپ کی حکومت کے چاق چوبند، مخلص اور ذمہ دار افسران و عمّال کی اعلیٰ کارکردگی نے ان کے حوصلے پست اور دم خم ڈھیلے کر دیئے تھے، اس لئے سیدنا معاویہؓ کی بیس سالہ خلافتِ راشدہ کے دوران انہیں کھل کھیلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ البتہ بچے کھچے مفسد عناصر نے زیرِ زمین، خفیہ مشن کی صورت اختیار کر لی، جس کے اراکین وقتاً فوقتاً حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اس اتحاد آفریں اور امن پرور صلح پر شرم دلا کر معاہدہ صلح ختم کرنے اور ایک بار پھر جنگ و جدال پر آمادہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ چنانچہ سپردگیٔ خلافت کے بعد سبائی پارٹی کے ممتاز لیڈر حجر بن عدی نے حضرات حسنینؓ سے یکے بعد دیگرے ملاقات کی اور انہیں صلح کی اس کارروائی پر سخت سست کہہ کر کوفہ وغیرہ مقامات سے فوج فراہم کرنے کی پیشکش کی، لیکن حضرات حسنین کریمین رحمہما اللہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا ـــــ سبائی لیڈر حجر بن عدی کی گفتگو اور اس پر حضرت حسینؓ کا جواب قدیم مؤرخ ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۲ھ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:-

"اے ابو عبداللہ (یعنی حسین)! آپ لوگوں نے عزت کے بدلے ذلت خرید لی، قلیل کو قبول کر لیا اور کثیر کو چھوڑ دیا۔ اے حسینؓ آج ہماری بات

مان لیں اور دنیا کا حکم رد کر دیں، حسنؓ کو بھی چھوڑ دیں اور ان کی اس رائے کو بھی جو انہوں نے لڑائی کے بارے میں اختیار کی ہے، کوفہ اور دیگر مقامات میں رہنے والے اپنے شیعوں (حامیوں) کو اکٹھا کر لیں، مقدمے پر مجھے اور میرے اس ساتھی کو مامور کر دیں۔ ابن ہند (معاویہ) کو پتہ اس وقت چلے گا جب ہم تلواریں سونتے اس پر حملہ بول چکے ہوں گے ـــــ مگر حضرت حسینؓ نے جواب دیا، ہم بیعت کر چکے اور عہد دے چکے اب بیعت توڑی نہیں جا سکتی۔"

(الاخبار الطوال، اردو ص ۳۹۸)

قدیم و جدید مؤرخین کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ جب سیدنا حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعتِ خلافت کا ارادہ کیا اس وقت ان کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؓ، اس فیصلہ سے متفق نہ تھے اور اس ارادہ پر انہوں نے اپنے برادرِ بزرگ سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا، لیکن سیدنا حسنؓ نے سختی سے پیش آ کر انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

وقد لام الحسين لاخيه الحسن على هذا الرأى فلم يقبل منه.

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶)

"حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حسنؓ کو اس صلح کے ارادے پر ملامت کی لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی۔"

شیعہ مؤرخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:-

"حسین اور عبداللہ بن جعفر سے حسنؓ نے ذکر کیا کہ میں معاویہؓ کو صلح کے لئے لکھ چکا اور امان مانگ لی۔ یہ سن کر حسین نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ

دیتا ہوں کہ معاویہ کی بات کی آپ تصدیق اور علیؓ کی بات کی تکذیب نہ کریں، حسن نے جواب دیا خاموش! میں اس باب میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

(تاریخ طبری، اردو ج ۵ ص ۲۵)

علّامہ ابن کثیرؒ ارقام فرماتے ہیں :-

فلما آلت الخلافة الی اخیه واراد ان یصالح، شق ذلك علیه ولم یسدد رأی اخیه فی ذلك. بل حثه علی قتال اهل الشام، فقال له اخوه، والله لقد هممت ان اسجنك فی بیت واطبق علیك بابه حتی افرغ من هذا الشأن ثم اخرجك فلما رأی الحسین ذلك سكت وسلم

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۰)

"جب ان کے بھائی (حسنؓ) کو خلافت ملی اور انہوں نے مصالحت کا ارادہ کیا، تو یہ بات حضرت حسینؓ کو گراں گذری۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بھائی کی رائے کو درست نہ مانا، بلکہ اہل شام سے جنگ کرنے پر زور دیا۔ امام حسنؓ نے کہا کہ بخدا میں تم کو گھر میں قید کر کے، اس کا دروازہ اس وقت تک بند رکھوں گا، کہ معاہدہ صلح سے فراغت پا جاؤں۔ اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ حسینؓ نے یہ حالت دیکھی تو خاموش ہو کر بھائی کی بات مان لی۔"

عصر جدید کے مصری مؤرخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں :-

ان الحسین بن علی لم یکن یری رأی اخیه ولا یقر میله الی السلم وانه الح علی اخیه فی ان یستمسك ویمضی فی الحرب ولكن اخاه امتنع وانذره ان یوضعه فی الحدید ان لم یطعه

(علیؓ وبنوہ ص ۲۰۳)

"حضرت حسینؓ خدا کی ان پر رحمت ہو، اپنے بھائی کے ہمخیال نہ تھے اُن کا رجحان صلح کی طرف نہ تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی سے کہا اور اصرار کیا کہ ضبط سے کام لیں اور جنگ بدستور جاری رکھیں، لیکن بھائی نے انکار کر دیا اور دھمکی دی کہ اگر اطاعت نہ کی تو پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا۔"

(حضرت علیؓ، اردو ص ۵۰۲)

ان ہی مؤرخین کی مرتب کردہ تاریخی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھائی کے ڈانٹنے ڈپٹنے سے خاموشی اختیار کر لی تھی ـــــ لیکن کوفہ کے پرانے تجربہ کار سیاسی لیڈروں اور سبائی پارٹی و علوی تحریک کے مفسد نمائندوں نے ترغیب و ترہیب کے ایسے "مجرب نسخے" استعمال کئے کہ بالآخر سیدنا حسینؓ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک آپ معاہدۂ صلح پر قائم رہیں اور قطعاً اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔ لیکن چونکہ اس صلح کا تعلق صرف امیر المومنین معاویہؓ کے ساتھ ہے اس لئے ان کے انتقال تک کوئی شور و شر اور ہنگامہ و محاذ آرائی نہ کی جائے۔ البتہ ان کے بعد کسی نئے سیاسی و تنظیمی فارمولے پر پورے غور و خوض کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔

مؤرخ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ مدینہ آکر ملنے والے ایک کوفی وفد سے دوران گفتگو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ :-

"اب چاہئے یہ کہ آپ میں سے ہر شخص خانہ نشین ہو جائے اور اس وقت تک خانہ نشین رہے جب تک یہ صاحب (معاویہؓ) زندہ ہیں۔" (الاخبار الطوال ص ۳۹۸)

ان ہی دینوری صاحب کا بیان ہے کہ جعد بن ہبیرہ بن ابی وہب نامی مخلص ترین دوست اور ہوا خواہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کی وفات کے سلسلہ میں تعزیتی

(الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۶۵)

" تم میں سے ہر شخص اپنے گھر میں اس وقت خاموشی سے بیٹھا رہے جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں۔ قسم بخدا! میں نے ان کی بیعت خوش دلی سے نہیں کی۔ اگر معاویہؓ وفات پا جائیں تو پھر ہم بھی غور کریں گے اور تم بھی غور کرنا۔ ہم بھی رائے قائم کریں گے تم بھی کوئی رائے قائم کرنا۔"

داستانِ کربلا کی واہی تباہی تفصیلات کے بانی و موجد، شیعہ مؤلف ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی لکھتے ہیں کہ سلیمان بن صرد، عبدالرحمٰن بن جندب ازدی، مسیب بن نجبیہ اور سعید بن عبداللہ حنفی وغیرہ کوفی نمائندوں کے وفد سے باتیں کرتے ہوئے، حضرت حسینؓ نے کہا:-

" بخدا! میں موت پر دل سے راضی تھا تاآنکہ میرے بھائی حسن نے مجھ پر زور دیا اور خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ نہ میں کوئی اقدام کروں اور نہ سکون میں کسی طلاطم کا سبب بنوں، اس لئے میں نے ان کی بات تو مان لی۔ مگر لگتا ایسا ہے کہ جیسے کوئی کاٹنے والا چھریوں سے میری ناک کاٹ رہا ہو، یا نشتروں سے میرا گوشت چھید رہا ہو۔ گویا میں نے جو ان کی بات مانی ہے تو مجبوراً ------- اب چونکہ صلح ہو گئی ہے اور بیعت کر لی ہے اس لئے ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک یہ شخص (یعنی حضرت معاویہؓ) موجود ہے۔ جب یہ مر جائے گا تو ہم بھی دیکھیں گے اور تم بھی دیکھو گے۔"

(مقتل الحسینؓ، اردو ص ۴۷)

شیعہ محقق ملا باقر ایرانی مجلسی کا بیان ہے کہ:-

" شیخ کشی نے روایت فرمائی ہے کہ مروان، معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ

تھے۔ انہوں نے معاویہ کو لکھا کہ مجھ سے عمر بن عثمان نے بیان کیا ہے کہ ایک گروہ عراقی و حجازی امام حسین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اور ان کو طمع خلافت دلاتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ و فساد برپا نہ ہو جائے، اب مجھے جو حکم ہو، اس کی تعمیل کروں ——

معاویہ نے مروان کو لکھا تمہارا خط میرے پاس آیا جو کچھ اس میں مفہوم تھا معلوم ہوا۔ تم ہرگز معترض امام حسین نہ ہونا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت پر وفا کریں گے میں ان کا معترض نہ ہوں گا۔"

(جلاء العیون، اردو ج ۲ ص ۲۷)

ملا مجلسی نے بتلایا کہ اس موقعہ پر سیدنا معاویہؓ نے ایک خط سیدنا حسینؓ کو لکھا، جس کا مضمون یہ تھا:۔

"آپ کے کئی امور مجھے دریافت ہوئے، اگر وہ درحقیقت سچ ہیں۔ لازم ہے کہ انہیں ترک کیجئے۔ اس لئے کہ جس نے خدا سے عہد و پیمان کیا ہے اسے لازم ہے کہ اپنے عہد و پیمان پر وفا کرے اور جو کچھ میں نے سُنا ہے باطل ہے ہرگز آپ ان امور کے پابند نہ ہوں گے، آپ کو لازم ہے کہ آپ اپنے امور کا خیال اور اپنے عہد و پیمان پر وفا کریں اور جب آپ عہد شکنی کریں گے تو میں بھی عہد شکنی کروں گا اور اگر آپ مکر کریں گے میں بھی آپ سے مکر کروں گا۔ آپ امت کے اجتماع کو برہم نہ کیجیے اور موجب حدوثِ فتنہ نہ ہو جیئے کیونکہ آپ لوگوں کو پہچانتے ہیں اور امتحان کر چکے ہیں پس اپنے اوپر رحم اور اپنے دین اور اپنے جد کی امت پر رحم کیجئے۔ بے خرد اور احمقوں سے دھوکہ نہ کھائیے۔"

(جلاء العیون، اردو ج ۲ ص ۲۷)

اس سے ملتا جلتا مضمون ابو مخنف اور ابو حنیفہ دینوری نے بھی "مقتل حسین" اردو ص ۴۹ اور "الاخبار الطوال" اردو ص ۲۰۴ میں نقل کیا ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی بیانات سے بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عجمی مفسدین اور سبائی منافقین نے مسلمان قوم کو ایک بار پھر خانہ جنگی کی آگ میں جھونکنے کے لئے نہ صرف پروگرام ہی مرتب کیا۔ بلکہ اس کے لئے خفیہ طور پر ہر ممکنہ تیاری بھی کر لی تھی۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کا انتظار تھا کہ جیسے ہی ان کی آنکھیں بند ہوں اور یہ پوری قوت و شدت کے ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں آموجود ہوں ——— پروگرام کا یہ پہلو کتنا پر پیچ اور اہلِ اسلام کے لئے کس قدر امتحان و پریشانی کا باعث تھا کہ قبل ازیں جس طرح انہوں نے اپنی اسلام دشمن انتقامی کاروائی کے لئے حضرت علیؓ جیسے محترم شخص کو آڑ بنایا تھا۔ بالکل اسی طرح اب کی مرتبہ ان کے چھوٹے فرزند حضرت حسینؓ کو اس کٹھن آزمائش کے لئے منتخب کیا گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ گوشہ اپنے اندر حیرت و استعجاب اور غم و اندوہ کی ہزاروں پیچیدگیاں لئے ہوئے ہے کہ —— اپنے والد ماجد کے ساتھ رہ کر ان کے ساڑے چار سالہ پرفتن و آزمائشی عہد میں ان مفسدین کی "مسلم عداوت" کا برملا و علانیہ مشاہدہ کر لینے اور ان کی شرارت و کمینگی کے نتیجہ میں بہتے ہوئے انسانی خون کے سمندر سے گذرنے کے بعد بھی حضرت حسینؓ نے —— اللہ جانے کن وجوہات کی بنیاد پر —— ان ہی شر پسندوں کا آلۂ کار بننا پسند کر لیا —— حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو گا کہ اسی تحریک کے ابتدائی کارکنوں کے ہاتھوں آپ کے حقیقی بہنوئی، عدل مجسم سیدنا فاروق اعظمؓ بحالتِ صلاۃ محراب نبوی میں شہید ہوئے —— ان ہی کی ظالمانہ و سفاکانہ جارحیت کے نتیجہ میں آپ کے خالو سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کئی دن کے بھوکے پیاسے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ذبح کر دیئے گئے

ـــــ ان ہی کی انتقامی کاروائی سے آپ کے والد، حضرت علیؓ جامع مسجد کوفہ کے دروازے پر نماز کو آتے ہوئے نشانۂ ظلم بنائے گئے ـــــ اور ان ہی کے نامبارک ونامسعود دامن جمل، صفین اور نہروان وغیرہ خانہ جنگیوں میں قتل کئے جانے والے ایک لاکھ انسانوں کی لاشوں سے بھرے ہوئے ہیں ؎

ٹپک پڑیں نہ کہیں آج ان کے ہی آنسو
جھجک رہا ہوں غم دل کا تذکرہ کرتے

ان حالات میں اسلامی ریاست کو بے چرواہے ریوڑ کی مانند چھوڑ دینا۔ اور امن وعافیت سے رہتے ہوئے مسلمانوں کے مستقبل کو دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلنے والے طالع آزماؤں کے رحم وکرم کے حوالے کر دینا ـــــ ایک سیاسی وفکری خطا ہی نہیں، بلکہ وہ ناقابلِ تلافی جرم بھی ہوتا جس کے سامنے "عہدِ مرتضوی" کی بلاکت خیزی وتباہ کاری دھول ہو کر رہ جاتی اور جس کے نتیجہ میں ہونے والے نقصان کی تلافی قیامت تک ناممکن ہو کر رہ جاتی ـــــ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ اور آپ کے فرض شناس اور بیدار مغز عمّال کا ملت اسلامیہ پر عظیم ترین احسان ہے کہ انہوں نے خاندانِ رسالت کی آڑ میں جنم لیتے ہوئے اس عجمی فتنے کو شروع ہی میں بھانپ کر بروقت مناسب ومعقول انتظام کر دیا ـــــ ورنہ مسلمانوں کو اس فتنے سے دوچار ہونے کی صورت میں اپنا "اجتماعی وجود" برقرار رکھنا دشوار ہو جاتا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک گذشتہ صفحات میں نقل کردہ مؤرخین کی عبارات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اگرچہ سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر حضرت حسنؓ کی بیعت کر لینے کے فوراً بعد ہی کوفہ کی سبائی پارٹی نے حضرات حسنینؓ کو برا بھلا کہہ سن کر اہلِ شام کے مقابل محاذ آرائی اور حسب سابق خانہ جنگی پر آمادہ کرنے کی

بڑی کوششیں کیں۔ لیکن پیکرِ امن واتحاد سیدنا حسنؓ نے اپنے والد کی منہ چڑھائی اس مفسد پارٹی اور چھوٹے بھائی حسینؓ کے ساتھ سختی سے پیش آ کر بات آگے نہ بڑھنے دی ـــــ حضرت حسنؓ کے انتقال کے بعد ان لوگوں نے سرگرمیاں تیز کر دیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب حضرت حسینؓ اپنے عجمی دوستوں کو تحریراً وتقریراً تلقین کیا کرتے تھے کہ :-

"حضرت معاویہؓ کی زندگی تک تم سب چپ چاپ رہو۔ ان کی وفات کے بعد سوچ سمجھ کر پروگرام مرتب کیا جائے گا۔"

اس وقت حضرت حسینؓ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور وہیں ان کے پاس ترغیب ترہیب اور پروگرام کی تنظیم وتشکیل کے لئے آنے والے عراقی لوگوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ گورنرِ مدینہ سیدنا مروانؓ بن الحکمؓ نے ان تمام حالات اور ممکنہ فتنہ وفساد کی حضرت معاویہؓ کو اطلاع دی۔ لیکن انہوں نے اپنے فطری وجبلّی حلم وکرم کی وجہ سے صرف یہ کہ خود نوٹس نہ لیا، بلکہ گورنر مدینہ کو بھی لکھا کہ ان لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ البتہ آپ نے حضرت حسینؓ کو مشفقانہ خط لکھ کر سمجھایا کہ خدارا دہ ان کوفیوں، عراقیوں کے چکّر میں آ کر کوئی اقدام ایسا نہ کر بیٹھیں، جس سے انہیں بلکہ اہل اسلام کی اجتماعیّت کو نقصان پہنچ جائے ـــــ عراق کے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے والد کو پھانس کر مسلمانوں میں ساڑھے چار برس تک خانہ جنگی و برادر کشی کی فضا قائم رکھی، جس میں ایک لاکھ کے قریب وہ بہادر مجاہدین گاجر مولی کی طرح کٹ گئے جو ماضی میں اسلامی فتوحات کا ذریعہ اور آئندہ مسلمانوں کے درخشندہ وروشن مستقبل کی علامت تھے۔ یہی کوفی اوباش وبدقماش ہیں جنہوں نے تمہارے بھائی حسنؓ کے ساتھ بدسلوکی وبدتمیزی کا ریکارڈ توڑ دیا۔ انہیں دھکّے دے کر پیروں تلے سے مُصلّٰی اور کاندھے سے چادر تک کھینچ لی اور پھر زہر آلود خنجر کے

انہیں شدید مجروح کیا ـــــ کیا یہ بدفطرت عناصر اس لائق ہیں کہ انہیں ایک منٹ کے لئے بھی منہ لگایا جائے ۔ ان کی تحریص و انگیخت اور اعتماد پر کسی تخریب پرور اور افتراق انگیز سرگرمی میں حصہ لینا بالآخر اسی مایوسی، بددلی اور خود فریبی کا موجب ہوگا جس کے ہاتھوں ملول و مجبور ہو کر حضرت علیؓ اپنے لئے موت کی تمنائیں کیا کرتے تھے ۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی زندگی کے احوال دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس نازک موقعہ پر اس حلیمانہ و حکیمانہ اصول کو اپنائے رکھا، جسے آپ کی انفرادی و اجتماعی اور نجی و سیاسی زندگی میں بڑی ہی اہمیت حاصل ہے ۔ یعنی لوگوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو اس وقت تک نظر انداز کئے رکھنا، جب تک وہ کھلی جارحیت پر آمادہ نہ ہو جائیں ـــــ البتہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ کے گرد عراقی مفسدوں کا گھیرا دیکھ کر نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ ملت کا ہر سچا ہمدرد اور بہی خواہ، علوی دور کی سی ہولناکیوں کے اعادہ کا تصور کر کے بے چین و بے قرار تھا ـــــ اسی دوران کوفہ کے گورنر، اسلام کے عظیم مدبر، کبیر السن صحابی سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے دمشق تشریف لا کر امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ اپنی زندگی ہی میں کسی شخص کو ولی عہد و جانشین مقرر فرما دیں، تاکہ آپ کے بعد "مسلم اجتماعیت" کے لئے ایک مضبوط سہارا موجود رہے، اس طرح حصول اقتدار کی خاطر ممکنہ رسہ کشی کا سد باب بھی ہو سکے گا اور انتشار پسند عجمی عناصر کو کسی گمراہ کن عنوان سے غوغہ آرائی و شر انگیزی کا موقعہ بھی نہ مل سکے گا ۔ جس کے لئے وہ شب و روز پر تول رہے ہیں اور جس میں برانگیختگی کا حسین رنگ بھرنے کے لئے انہوں نے نواسۂ رسول حضرت حسینؓ کو منتخب کیا ہے ۔

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے ابتداءً یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ سیدنا عمر فاروقؓ

کی طرح چھ افراد پر مشتمل "انتخابی پینل" مقرر کر دیں، تاکہ آپ کی وفات کے بعد انہیں نامزد اشخاص میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیا جائے ـــــ علامہ ابن کثیرؒ نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام بتلائے ہیں :-

(۱) سیدنا سعید بن العاصؓ (۲) سیدنا عبداللہ بن عامرؓ
(۳) سیدنا حسن بن علیؓ (۴) سیدنا مروان بن الحکمؓ
(۵) سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (۶) سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۵)

لیکن سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے ولی عہدی کے لئے سیدنا معاویہؓ کے لائق فرزند سیدنا یزیدؒ کا نام پیش کیا ـــــ حضرت معاویہؓ کو سیدنا مغیرہؓ کی نیک نیتی اور تقویٰ ہی نہیں، ان کے فہم و فراست اور حسن تدبر و اصابت رائے پر مکمل اعتماد تھا ۔ تاہم وہ کوئی ایسا اقدام کرنے پر تیار نہ تھے جس کے متعلق ارباب حل و عقد، اصحاب شوریٰ اور رائے عامہ کا واضح اور دو ٹوک فیصلہ ان کے سامنے نہ ہو ـــــ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرات خلفائے راشدین، ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کی خلافت راشدہ اور اس کے اچھے اثرات و ثمرات ان کی ہردلعزیزی اور ان پر قوم کے بھرپور اعتماد کا نتیجہ تھے ۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علیؓ کو اپنے عبوری و آزمائشی عہد میں جن مشکلات و شدائد اور ناکامیوں کا سابقہ رہا وہ آپ کے معاملاتِ حکومت پر مسلمانوں کی بے اعتمادی و بے اطمینانی ہی کا ردعمل تھا ۔ نیز آپ اس سے بھی باخبر تھے کہ حضرت علیؓ کے ساڑھے چار سالہ انتشاری دور کے بعد، رشد و ہدایت اور امن و عافیت سے سرفراز آپ کی خلافت میں کامیابی و کامرانی کا راز ہی یہ ہے کہ اسے اصحاب شوریٰ اور رائے عامہ کی مکمل تائید و حمایت حاصل رہی ہے

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

بنا برایں ـــــ یہ کیونکر ممکن تھا کہ لسانِ نبوی سے "ہادی و مہدی" کا خطاب پانے والے، صاحبِ فہم و بصیرت، سیدنا معاویہؓ ـ وامرھم شوریٰ بینھم کے قرآنی حکم کا تقاضا پورا کئے ـــــ اور رائے عامہ کا احترام کئے بغیر کوئی ایسا فیصلہ کرلیں جس کے نتائج ماضی میں کئے گئے تجربات سے زیادہ تباہ کن اور خطرناک ثابت ہوں۔ چنانچہ آپ نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ اتنا اہم کام اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک تمام صوبوں کے نمائندے اور اصحابِ شوریٰ مل جل کر کوئی متفقہ فیصلہ نہ کریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ طویل عرصہ سے کوفہ جیسے سبائی مرکز کے گورنر چلے آرہے تھے اس لئے انہیں وہاں رہ کر اہل کوفہ کی نفسیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ جس کے نتیجے میں کوفیوں کی خطرناک سازش۔ اور مدینہ منورہ آجا کر حضرت حسینؓ کو سبز باغ دکھا کر۔ اپنے جال میں پھانس کر ان کے ذریعہ خانہ جنگی برپا کرنے کے پروگرام پر بھی آپ کو ذاتی طور پر آگاہی حاصل تھی۔ اس لئے پیرانہ سالی کے اس مقام پر پہنچنے کے باوجود، جہاں عموماً راحت و آرام طلبی کا جذبہ غالب رہتا ہے۔ آپ نے ولی عہدی کی یہ تجویز پیش ہی نہ کی، بلکہ نومولود عجمی فتنے کے مقابلہ میں ہر ممکن نبرد آزمائی کا عزم کر کے آپ زندگی کے آخری لمحات اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور سالمیت کے لئے کوشاں رہتے ہوئے اسی طرح گذار دینا چاہتے تھے جس طرح اب سے پہلے عمر عزیز کا بیشتر حصہ اور اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا قیمتی سرمایہ اللہ کے دین اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے نذر کر چکے تھے، رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ اسی لئے آپ نے چاہا کہ ولی عہدی کے مسئلہ کو، ولعمل بلا کر، جس قدر جلد ممکن ہو سکے، فتنہ و فساد کے دروازے کو شروع ہی

اپنے نمائندے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ اسی سال دمشق میں اجلاس ہوا، جس میں اسلامی مملکت کے تمام صوبوں اور علاقوں کے معزز، اصحاب الرائے نمائندوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی ـــــ دوسرے مؤرخین کے علاوہ، مسعودی جیسے متعصب شیعہ مؤرخ نے بھی اس اجلاس میں نمائندہ وفود کی شرکت کا ان لفظوں میں اعتراف کیا ہے:-

وَفَدَ علی معاویة وفد من الامصار من العراق وغیرها فکان ممن وفد من اهل العراق الاحنف بن قیس فی آخرین من وجوه الناس۔

(مروج الذہب ج ۳ ص ۳۶ و ۳۷)

"سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں عراق وغیرہ تمام شہروں سے وفد آئے، اور عراق سے آنے والے وفد میں دوسرے بڑے لوگوں کے علاوہ احنف بن قیس بھی تھے۔"

اجلاس میں اسلامی ریاست کے مستقبل اور سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی پر غور ہوا ـــــ شرکاء نے اجلاس کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا ـــــ موافقت و مخالفت کے ـــــ ہر دو موقف پر تائیدی و تردیدی دلائل پیش ہوئے ـــــ بالآخر عراقی وفد کی طرف سے پیش کردہ تحریک پر سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کو اکثریت کی حمایت حاصل رہی۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے کان میں آواز پڑی کہ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ، امیر یزیدؒ کی ولی عہدی سے خوش نہیں، اس لئے اس فیصلہ کو اجتماع میں بھاری

ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا۔ تو حضرت مروانؓ نے کہا کہ ذرا انہیں پکڑ لو ——— وہ سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے، اس لئے لوگ انہیں پکڑ نہ سکے حضرت مروانؓ نے کہا کہ انہیں جیسے لوگوں کے بارے اللہ نے یہ آیت اتاری والذی قال الخ۔ یعنی وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ افسوس ہے تم پر، تم مجھے دھمکی دیتے ہو ——— سیدہ عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق (خصوصیت سے) قرآن مجید میں میری پاکدامنی کی آیاتیکا نازل فرمائیں؟

مندرجہ بالا مستند روایت سے معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین معاویہؓ کی ہدایت کے مطابق گورنر مدینہ حضرت مروانؓ نے جس عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کا تذکرہ کیا تھا۔ اس میں مدینہ منورہ کے اکابر صحابہؓ و تابعینؒ نے ہی شرکت نہ کی بلکہ روایت میں بیان کردہ سیدہ عائشہؓ کی پردہ کے پیچھے موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس اہم قومی معاملہ میں مشاورت کے لئے امہات المؤمنینؓ بھی تشریف فرما تھیں ——— اصحاب رسولؐ اور اکابر مدینہ پر مشتمل اس نمائندہ اجلاس میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے علاوہ کسی بھی قابلِ ذکر شخص نے نہ ولی عہدی کے مسئلہ سے اختلاف کیا، اور نہ ہی کسی نے سیدنا یزیدؒ کی اہلیت و نامزدگی پر اختلافی رائے اور ناپسندیدگی ظاہر کی۔

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ جلیل القدر صحابہؓ اور اکابرِ مدینہ کی موجودگی میں، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کا اختلاف کوئی وزن نہیں رکھتا، اس لئے کہ ولی عہدی یا سیدنا یزیدؒ کی نامزدگی میں اگر کوئی شرعی قباحت ہوتی تو پھر حضرت عبدالرحمنؓ نہیں بلکہ تمام حضرات صحابہؓ اور حاضرینِ اجلاس اس کی پر زور تردید کرتے، اس طرح خاموش رہ کر اپنے اجماع کا عملی اعلان نہ فرماتے ——— پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جب بڑوں کی موجودگی اور ان کے خاموش رہتے ہوئے، حضرت عبدالرحمنؓ نے کوئی چبھتی ہوئی بات کہی، جس پر حضرت مروانؓ نے ایک آیت پڑھتے ہوئے ان پر غصہ کا اظہار کیا، تو اُمُّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے پردہ کے پیچھے سے بآوازِ بلند اس بات کی وضاحت تو فرمائی کہ یہ آیت کریمہ ان کے بھائی عبدالرحمنؓ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، لیکن سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی سے متعلق آپ نے کوئی اختلاف نہیں فرمایا - یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حاملِ علوم نبوت سیدۃ نساء العالمین، صدیقۂ کائنات، ام المؤمنین حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا کے نزدیک ایک خلیفہ کی موجودگی میں اس کے جانشین کی تقرری، باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی اور ولی عہدی کے لئے امیر یزیدؒ بن معاویہؓ کی نامزدگی کسی بھی حیثیت سے قابلِ اعتراض یا قرآن و سنت سے متصادم نہ تھی، ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ معمولی معمولی قابلِ اصلاح باتوں پر برملا ٹوکنے والی "امّاں" ملّتِ اسلامیہ کے مستقبل جیسے اہم اور نازک مرحلہ میں اپنی روحانی اولاد کو غلط اقدام کرتے ہوئے دیکھ کر برداشت کر لیتیں ———؟

مدینۃ النبیؐ میں منعقدہ اس اہم اجلاس سے ایک شخص کا اختلاف کرکے چلے جانا، جلسہ میں موجود اکابر صحابہ و تابعین کے اجماعی عمل کے مقابلہ میں اگرچہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ازراہِ احتیاط اس ایک اختلافی آواز کو بھی محسوس فرمایا۔ آپ ماضی کے تجربات

کی روشنی میں خوب سمجھتے تھے کہ اس طرح کی اکائیاں ازخود احساس کمتری کا شکار ہو کر یا سازشی عناصر کے فریب میں مبتلا ہو کر اس قدر خطرناک اقدام کا سبب ہو جاتی ہیں کہ پھر ان کی تلافی، سنگین صورتِ حال کا مقابلہ کئے بغیر نہیں ہو سکتی۔ بنابریں آپ نے حجاز مقدس کا سفر اختیار فرمایا تاکہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے ساتھ ہی مکہ و مدینہ کے اصحابُ الرائے سے درپیش معاملہ میں بالمشافہ گفتگو بھی ہو سکے گی۔

چنانچہ آپ کے مدینہ منورہ پہنچنے پر ایک بار پھر اجتماع ہوا جس میں امیرالمومنین سیدنا معاویہؓ نے قومی و ملکی معاملات اور موجودہ، بدلتے ہوئے حالات میں اسلامی خلافت اور مسلم اجتماعیت کے مستقبل سے متعلق تفصیلی کیا، اور بالآخر باہمی گفت و شنید کے بعد بغیر کسی اختلاف کے سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے لئے منظوری دے دی۔

شیخ الصحابہ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اسی اجلاس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

دخلتُ علیٰ حفصة ونوساتها تنطف قلتُ قد كان من امر الناس ما ترين فلم يجعل لي من الامر شيءٌ فقالت الحق فانهم ينتظرونك واخشیٰ ان يكون في احتباسك عنهم فرقةٌ فلم تدعه حتیٰ ذهب. فلمّا تفرق الناس خطب معاوية قال من كان يريد ان يتكلّم في هذا الامر فليطلع قرنه فلنحن احق به ومن ابيه. قال حبيب بن مسلمة فهلّا اجبتهٗ قال

عبد الله فحللت حبوتي وهممت ان اقول احق بهذا الامر منك من قاتلك واباك على الاسلام فخشيتُ ان اقول كلمة تفرق بين الجمع وتسفك الدم ويحمل عني غير ذلك فذكرت ما اعدّ الله لي في الجنان قال حبيب حَفِظتَ وعَصِمتَ۔ (صحیح بخاری جلد دوم ص۵۸۹)

"میں سیدہ حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں کہ اس معاملہ میں میری کوئی حیثیت نہیں رکھی گئی، حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ جاؤ، لوگ تمہارے انتظار میں ہیں، مجھے ڈر ہے کہ تمہارے رُکے رہنے سے اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ حضرت حفصہؓ نے اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑا جب تک چلے نہ گئے۔

جب (جلسہ میں شریک عام) لوگ متفرق ہو گئے تو سیدنا معاویہؓ نے دوران خطاب فرمایا کہ اب بھی کوئی شخص اس معاملہ کچھ بولنا چاہے تو وہ سر اونچا کرے، ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت حبیب ابن مسلمہؓ نے دریافت کیا کہ پھر آپ نے کوئی جواب دیا ___؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نشست چھوڑ کر کہنا چاہا کہ آپ سے زیادہ حق اس کا ہے جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لئے جنگ کی تھی۔ لیکن مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اختلاف و فساد کا موجب ہو اور میری بات کو غلط رنگ نہ دے لیا جائے۔ اس لئے میں اللہ کی

خوشنودی وانعام کے خیال سے چپ رہا ـــ سیدنا حبیب بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آپ کو غلط بات کہنے سے محفوظ رکھا اور نامناسب اقدام سے بچا لیا؟

صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے متعلق کچھ خیال ہوا تھا، لیکن جب انہوں نے اپنی بہن، ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس جا کر مشورہ لیا تو آپ نے انہیں ملّت کے اجتماعی معاملات میں اختلاف وانتشار سے منع کیا اور آپ نے بار بار سختی کے ساتھ کہہ سُن کر حضرت عبداللہؓ کو اجلاس کی شرکت پر مجبور کر دیا۔

اُمّ المومنین سیدہ حفصہؓ سلام اللہ علیہا کا یہ فرمانا کہ "جاؤ لوگ تمہارے انتظار میں ہیں" اس بات کا ثبوت ہے کہ اجلاس میں مدینہ منوّرہ کے تمام صحابہؓ اور دیگر اصحاب الرائے کو دعوت دی گئی تھی اور وہ سب ہی وہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت عبداللہؓ کا انتظار ہو رہا تھا، ان کے پہنچنے پر جلسہ کی کارروائی ہوئی، اجلاس کے تمام شرکاء نے حالات حاضرہ اور ملّی مصالح کے پیش نظر امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کی پیش کردہ تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے، ولی عہدی کے لئے سیدنا یزید کی نامزدگی کو منظور کر لیا، اس طرح مسلمانوں کے مستقبل کو انتشار وافتراق سے بچانے کی خاطر مُدبّرِ اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک اور دمشق میں ہونے والے تمائندہ اجلاس میں کثرت رائے سے منظور کردہ قرارداد کی مدینہ منوّرہ کے اس اہم اور مقدس اجلاس میں بلا اختلاف توثیق کی گئی۔

ولی عہدی کی بیعت مکمل ہونے پر جب جلسے کی کارروائی ختم ہوئی اور عموماً شرکائے اجلاس جا چکے، تاہم ابھی چند خاص حضرات موجود تھے، جن سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ نے ایک جملہ کہا، جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے

متعلق تعریض سمجھ کر اس کا جواب دینا چاہا، لیکن قائم شدہ اجماع واتفاق میں رخنہ وفساد پڑ جانے کے خوف سے آپ چپ رہے۔ اس واقعے کے خاصے عرصے بعد سیدنا حضرت حبیب بن مسلمہؓ کو اس اجلاس کی تفصیلات سُناتے ہوئے ان کے معلوم کرتے پر حضرت عبداللہؓ نے اپنے اس جواب کا تذکرہ فرمایا جو آپ اس موقعے پر دینا چاہتے تھے ـــ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت معاویہؓ کے اس جملہ اور حضرت عبداللہؓ کے مجوّزہ جواب کے بارے میں بھی کچھ عرض کرتے چلیں، تاکہ روایت کے ان الفاظ پر غور کرتے ہوئے ذہن کسی تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔

اجلاس کی رسمی کارروائی کی تکمیل واختتام کے بعد، باقی رہے ہوئے چند خاص حضرات سے بات چیت کرتے ہوئے، امیر المؤمنین معاویہؓ کی زبان سے یہ جملہ نکلا :-

"اب بھی کوئی شخص اس معاملہ میں کچھ بولنا چاہے تو وہ سر اونچا کرے، ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (خلافت) کے زیادہ حقدار ہیں؟

گذرے ہوئے واقعات کا تسلسل اور اہل کوفہ کے مرتب کردہ سازشی پروگرام کے پس منظر کو ذہن میں رکھ کر، حضرت معاویہؓ کے ارشاد پر غور کیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اس جملہ میں حضرت معاویہؓ کی مراد حضرت عبداللہ بن عمرؓ یا ان کے والد ماجد سیدنا عمر فاروق اعظمؓ پر کسی قسم کی تعریض وطنز ہرگز مقصود نہیں ـــ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ خلافت کے معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف سے کبھی کسی حریفانہ روش کا مظاہرہ تک نہیں ہوا۔ اجلاس سے ذرا قبل کچھ خیال پیدا ہوا تھا، جسے اُمّ المومنین سیدہ حفصہؓ بنت عمر فاروق اعظمؓ کی مشفقانہ نصیحت اور مصلحانہ توبیخ نے ذہن سے نکال

دیا ــــ رہے سیدنا حضرت عمرؓ تو وہ نہ صرف سیدنا معاویہؓ کے مربّی و محسن تھے بلکہ آپ ہی نے انہیں شام کی گورنری پر فائز فرما کر، انہیں اپنی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے مواقع عطا فرمائے تھے ــــ سیدنا عمرؓ کے ساتھ آپ کو پوری زندگی جس درجہ عقیدت و محبت رہی وہ تاریخ کا صحیح علم رکھنے والے کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں ــــ نیز سیدنا عمرؓ کو حضرت معاویہؓ کے ساتھ کس قدر پرخلوص اور قریبی لگاؤ تھا، وہ اس اعتماد سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ۱۸ سنہ ہجری میں انہیں شام جیسے اہم سرحدی علاقہ پر گورنر بنانے سے لے کر اپنی وفات تک اس اہم اور نازک عہدے سے کبھی سبکدوش نہیں کیا، بلکہ آئے دن ان کے مناصب میں اضافے فرما کر ان پر اپنے بھرپور اطمینان د اعتماد کا اظہار فرماتے رہے ــــ ان کی شان میں شکایتی الفاظ سُن کر آپ کو بے حد قلق ہوتا اور شکایت کرنے والے کو اس شدت سے ڈانٹتے کہ پھر اسے ایسی جراُت نہ ہوتی، غرضیکہ یہ کہنا قطعاً بجا ہے کہ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کی نگاہ میں سیدنا معاویہؓ معتمد ترین شخص تھے. ان حالات میں یہ کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے سیدنا عمرؓ پر طنز کیا ہو ــ؟

بات اصل میں یہ ہے کہ، عدل مجسم سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت ــــ خلیفہ برحق سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی ــ جوارِ رسول میں ان کی دردناک شہادت ــ بزور طاقت سیدنا علیؓ کی خلافت کا قیام ــــ عہد علوی میں مسلم کش خانہ جنگیاں ــــ اور پھر مسجد کے دروازے کے پاس حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ، وغیرہ وہ واقعات تھے جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو شدید ترین دھچکا پہنچایا. ۲۴ سنہ سے لے کر ۴۰ سنہ ہجری تک کا وہ زمانہ جس میں مسلم قوم ان افسوسناک و کربناک حادثات سے دوچار رہی، سیدنا معاویہؓ صوبۂ شام کے گورنر تھے اور متعلقہ فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں عموماً آپ وہیں رہے. لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ جیسا صاحبِ فہم و فراست مدبّر اور اسلام کا سچّا سپاہی، مدینہ و عراق میں ہونے والے افسوسناک حالات سے المناک نہ ہو اور پھر ان کے اسباب و عوامل کا کھوج لگا کر ان کے تدارک و دفعیہ کی کوشش نہ کرے.

چنانچہ آپ مومنانہ بصیرت و فراست اور مدبّرانہ صلاحیت و مہارت سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب کچھ ان عجمی عناصر کا کیا دھرا ہے، انہی نے اپنے انتقامی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمرؓ جیسے عادل خلیفہ کو راہ سے ہٹایا. سیّدنا عثمان غنیؓ کو بے دردی سے شہید کیا، اور سیدنا علیؓ کو آڑ بنا کر مسلمانوں میں تلوار چلوائی ــــ وہی مفسد ٹولی حضرت حسینؓ کو اپنے ساتھ ملا کر ایک بار پھر مسلمانوں کے اجتماع اور امن و عافیت کو غارت کرنے پر آمادہ ہے ــــ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو بخوبی معلوم تھا کہ ان مفسدین و منافقین نے حضرت حسینؓ کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اسی طرح تیار کر لیا ہے جس طرح انہوں نے ان کے والد محترم حضرت علیؓ پر تسلط حاصل کر لیا تھا. اس سلسلہ میں آپ نے حضرت حسینؓ کو خط و کتابت کے ذریعہ بہت کچھ سمجھایا بھی تھا جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے. لیکن ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بنا برایں اب جبکہ حضرت حسینؓ بھی اختتام جلسہ پر یہاں موجود تھے، جو عمر میں ان سے بہت چھوٹے اور رشتہ میں ان کے نواسے ہوتے ہیں ــــ تو آپ نے مناسب سمجھا کہ ان کو کوفیوں کے بھروسے پر انتشار انگیز اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کریں. بالکل اسی طرح جیسا کہ امّ المؤمنین سیّدہ حفصہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کو باز رکھا تھا.

توگویا اس ذیل میں آپ نے یہ جملہ فرماکر حضرت حسینؓ کے ذہن سے یہ بات نکالنا چاہی کہ خلافت جیسی اہم انتظامی ذمہ داری۔ ذاتی خصائص اور انفرادی استحقاق کا نتیجہ نہیں ہوا کرتی، اس کے لئے کوئی مکاروں کی خفیہ سازشوں کی نہیں، بلکہ سیاسی بصیرت ومہارت اور انتظامی صلاحیت اور تجربے کی ضرورت ہے، جیسے اسلامی ریاست کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک قبول عام حاصل ہو۔ اور جس کی پشت پر نہ صرف اصحاب الرائے بلکہ رائے عامہ کی ایسی تائید وحمایت موجود ہو جس کا کسی بھی صورت میں استخفاف نہ ہوسکے ــــــ اور چونکہ یہ اجماعی تائید "عام الجماعت" کے بعد ہمیں اب بھر حاصل ہے۔ دمشق اور مدینہ منورہ کے ان اجلاس کے متفقہ فیصلے اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اس لئے اس اجماع و اتفاق کے بعد بھی، اگر کسی شخص کے دل میں کوئی تسلی طلب بات ہو تو وہ سامنے آکر بولے ہم اس "اجماعی استحقاق" کے سلسلہ میں مزید اطمینان پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ ہے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے فرمان کی حقیقت، جسے واقعات و حالات کے تسلسل میں رکھ کر دیکھنے کے بعد کسی قسم کی تشویش و تعویق کا امکان نہیں ــــــ اب اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ عجمی فتنہ انگیزیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدنا عبداللہؓ نے اسے اپنے متعلق تعریض کیوں گمان فرمالیا: رضی اللہ عنہ وعفا عنہ۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز وہ جواب ہے جو آپ نے سوچا تھا۔ یعنی، "آپ سے زیادہ حق اس کا ہے، جس نے آپ سے اور آپ کے باپ سے اسلام کے لئے جنگ کی تھی"۔

جہاں تک حضرت معاویہؓ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق

ہے، بلاشبہ وہ فتح مکہ سے کچھ پہلے تک، اسلام قبول کرنے سے قبل مخالف قوم کے سربراہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مقابل لڑنے کے لئے آئے، لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیدنا معاویہؓ اسلام اور مسلمانوں سے لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وفور جذبات میں جواب تیار کرتے وقت اس جانب غور نہ فرماسکے ہوں ــــــ یا پھر ہوسکتا ہے کہ بعد کے کسی راوی نے حضرت عبداللہؓ کے جوابی الفاظ بیان کرتے ہوئے سیدنا ابوسفیانؓ کے ساتھ ہی حضرت معاویہؓ کو بھی شامل کردیا ہو، ورنہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جیسے متقی، پرہیزگار، شیخ الصحابہ کی زبان سے دیدہ ودانستہ ایسی خلاف واقعہ اور غلط بات نہیں نکل سکتی تھی ــــــ واقعات وروایات نقل کرنے میں راوی سے اس طرح کی بھول چوک اور غلطی کے امکان کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، بلکہ حدیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جہاں راوی کے تصرف سے بات کچھ کی کچھ ہوکر رہ گئی ہے

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

اجماعی بیعت

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

فبایع لہ الناس فی سائر الاقالیم ــ (البدایہ والنہایہ ص ۷۹ ج ۸)

"تمام علاقوں کے لوگوں نے ان کی (ولی عہدی کی) بیعت کی"

یہی علامہ ابن کثیرؒ مزید رقمطراز ہیں:۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد، ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید۔ البدایہ والنہایہ ص ۸۰ ج ۸

"تمام شہروں میں سیدنا یزیدؒ کی بیعت بلا اختلاف کی گئی ۔ نیز ملک کے کونے کونے سے سیدنا یزیدؒ کے پاس (بیعت کرنے کے لئے) وفود آئے۔"

اسلامی تاریخ میں سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ ہی وہ اکیلے شخص ہیں جن کے لئے اس قدر مکمل اور ہمہ گیر استصواب عمل میں آیا جو اس سے پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں ہوا ۔ لاکھوں میل میں پھیلی ہوئی اسلامی مملکت میں بسنے والے صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور دیگر تمام مسلمانوں نے، مدینہ منورہ کے اجتماع میں کئے گئے متفقہ فیصلے کے بعد بلا پس و پیش ان کے لئے ولی عہدی کی بیعت کی ۔

کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل پانچ حضرات نے سیدنا یزیدؒ کے لئے ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی :-

۱ —— سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ۔

۲ —— سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۔

۳ —— سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ۔

۴ —— سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ۔

۵ —— سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما ۔

لیکن ان حضرات کے عملی موقف کی روشنی میں دعوی سے کہا جا سکتا ہے کہ دیگر ہمعصر صحابہؓ و تابعینؒ کی طرح ان حضرات نے بھی ولی عہدی کی بیعت کی تھی ۔ —— یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے مشورہ دیتے ہوئے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہو ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کے دل میں اپنے متعلق کچھ استحقاقی خیالات بھی موجود رہے ہوں ۔ لیکن یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اکابر صحابہؓ کی موجودگی میں ہونے والے اجلاس کے اجماعی فیصلے کے بعد ان میں سے کسی نے کسی قسم کا اختلاف کیا ہو ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے مدینہ منورہ میں ہونے والے پہلے مشاورتی اجلاس میں حضرت مروانؓ کے سامنے کوئی اعتراض کیا اور پھر اٹھ کر چلے گئے ۔ لیکن اس کے بعد سیدنا معاویہؓ کی موجودگی میں ہونے والے اجتماع یا اس کے علاوہ کسی دوسرے موقعہ پر ان سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں جسے ان کی ناراضگی و انکار پر دلیل قرار دیا جا سکتا ہو یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ ۵۰ھ ہجری کے آخر میں ہونے والے اس اجماعی فیصلے سے متفق تھے، یہاں تک کہ ۵۳ھ ہجری میں ان کی وفات ہو گئی ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں ابتداءً اپنے متعلق کچھ خیال پیدا ہوا ۔ لیکن ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے سمجھانے پر آپ نے عمر بھر کے لئے اسے ذہن سے نکال دیا —— صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی پر صرف راضی ہی نہ تھے بلکہ ان کے متعلق یہاں تک فرمایا کرتے تھے

اناقد بایعنا هذا الرجل علی بیع اللہ ورسوله الخ ---

(بخاری جلد دوم ص ۱۰۵۳)

"ہم نے ان (یزید بن معاویہؒ) کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام بھی بیعت نہ کرنے والوں میں خواہ مخواہ لے لیا گیا ہے ۔ ورنہ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ آپ کو سیدنا یزیدؒ سے نہ کبھی کد تھی اور نہ آپ سے بیعتِ ولی عہدی کے سلسلہ میں کسی ناراضگی و اختلاف کا صدور ہوا ۔ آپ نہ صرف خود سیدنا یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے ۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شروع میں ولی عہدی سے متعلق اختلافی رائے رکھتے تھے، اور آپ نے

اپنی اختلافی رائے کا برملا اظہار بھی کیا۔ لیکن جب قومی مصالح اور مسلم اجتماعیت کو درپیش خطرات کو سامنے رکھ کر تمام اکابر امت نے ولیعہدی سے متعلق متفقہ فیصلہ کرلیا تو آپ نے بھی اسے تسلیم کرلیا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے سیدنا یزیدؒ کی ولیعہدی کے متفقہ فیصلے سے لے کر حضرت معاویہؓ کے انتقال تک کسی مخالفانہ روش کا اظہار نہ فرمایا ــــ البتہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا یزیدؒ کی خلافت کے لئے تجدیدِ بیعت ہونے لگی، تو اس وقت آپ نے بیعت نہ کی۔ بایں ہمہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یزیدؒ کی وفات سے قبل آپ نے اپنے لئے کھل کر دعوت دی ہو یا اپنی خلافت کا اعلان کیا ہو۔

حضرت حسین بن علیؓ کو اگرچہ کوفی سبائیوں نے بہت کچھ نرم، گرم کر رکھا تھا، تاہم آپ نے بھی اس اجماعی فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے "تایازاد بہنوئی اور پھوپھیرے سالے" سیدنا یزیدؒ کے لئے ولی عہدی کی بیعت کی۔ جس کی ایک موقعہ پر سیدنا یزیدؒ نے آپ کو یاد دہانی کرائی تھی ــــ نیز تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک آپ ہر سال دمشق تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرح آپ نے بھی خلافت کے لئے تجدیدِ بیعت نہ کی اور کوفیوں کے چکر میں آکر سبائی چھاؤنی کوفہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں کوفی منافقوں کی عیاری و مکاری کا پردہ چاک ہوا تو "حتی اضع یدی فی یدہ" کہہ کر سیدنا یزیدؒ کی بیعت میں شمولیت کا اعلان ہی نہیں فرمایا بلکہ کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی جانب سفر شروع کردیا تاکہ خلیفہ یزیدؒ کے پاس پہنچ کر عملاً تکمیلِ بیعت کرلیں ــــ لیکن راستہ ہی میں کربلا کے مقام پر کوفی سازشیوں کے ہاتھوں آپ کی افسوسناک شہادت کا واقعہ پیش آگیا۔

غرضیکہ جن پانچ حضرات کے نام ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے کے سلسلہ میں لئے جاتے ہیں۔ ان سب نے بھی سیدنا یزیدؒ کے لئے ولی عہدی کی بیعت کی تھی۔ یہ کہنا قطعاً غلط اور بے اساس ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی سیدنا یزیدؒ کی ولیعہدی کے اجماعی فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا۔ یا اس اتفاق کے بعد انہوں نے ولی عہدی کے زمانہ میں کسی قسم کی رخنہ اندازی و انتشار پسندی کا مظاہرہ کیا تھا ــــ البتہ سیدنا یزیدؒ کی "دس سالہ ولی عہدی" کے بعد سیدنا معاویہؓ کی وفات پر جب ان کے لئے خلافت کی بیعت ہونے لگی تو حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ نے اس سے پہلو تہی اختیار کی تھی، لیکن اس بیعت کا تعلق ولی عہدی سے نہیں بلکہ خلافت سے ہے، جس پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی سے متعلق پوری اسلامی مملکت میں کوئی ایک قابلِ ذکر شخص بھی ایسا نہ تھا، جس نے ولی عہدی کی بیعت میں شمولیت نہ کی ہو۔

ولی عہدی کی بیعت مکمل ہونے پر امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے ان الفاظ میں دعا مانگی:۔

اللّٰھم ان کنت عھدتُ لیزید لما رأیت من فضلہ فبلّغہ ما املت واَعِنْہ وَاِن کنت انما حملنی حب الوالد لولدہٖ وانہ لیس لما صنعت بہ اھلاً فاقبضہ قبل ان یبلغ لذالک۔ (تاریخ الاسلام، للذھبی ج۲ ص۲۶۷)

"اے اللہ! اگر میں نے یزیدؒ کو اس کے فضل و کمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنایا ہے، تو اسے اس بلند مقام تک پہنچا جس کی میں نے اس کے لئے امید کی ہے۔ اور اس کی اعانت و امداد فرما۔ اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور درحقیقت

یہ اس منصب کا اہل نہیں، تو اس کے اس منصب تک پہنچنے سے پہلے اسے موت دے دے۔"

علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے سیدنا معاویہؓ کی دعا ان لفظوں میں نقل کی ہے:۔

اللھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذلک فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولیتہ۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۰)

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزیدؒ کو اس کی اہلیت و قابلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس ولی عہدی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا، اور اگر میں نے صرف پدری محبت سے ایسا کیا ہے تو اسے پورا نہ ہونے دیجیو۔"

امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی یہ دعا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ولایتِ عہد کی تجویز و تحریک اور ولی عہدی کے لئے سیدنا یزیدؒ کی نامزدگی ذاتی اغراض و مفادات ـــــ اور محض پدرانہ شفقت و محبت کی بنیاد پر عمل میں نہیں آئی بلکہ سیدنا یزیدؒ کو اس اہم منصب کے لئے اہلیت و صلاحیت کا حامل جان کر کی گئی، تاکہ اسلامی خلافت اور مسلم شیرازہ بندی کو مستقبل میں درپیش ممکنہ خطرات و خدشات سے تحفظ حاصل ہو سکے ـــــ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ نے جس قدر احتیاط سے کام لیا وہ بلاشبہ آپ ہی کا حصہ ہے، جس کی مثال نہ سابقین میں ملتی ہے اور نہ ہی بعد والوں کی سیاسی و عملی زندگی میں اس کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔

سیکڑوں، ہزاروں صحابہؓ، اور لاکھوں، کروڑوں تابعین کے اس

اس بے مثال اجماعی فیصلے کے نتیجہ میں منعقد ہونے والی ولی عہدی کے باوجود اللہ رب العزت کے دربار میں دست بدعا ہو کر عرض کرنا کہ:

"یہ ولی عہدی اگر نیک نیتی سے کی گئی تو اسے کامیابی سے ہمکنار فرما، ورنہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی میرے بیٹے یزیدؒ کو موت دے دے۔"

صحابیٔ رسول، کاتبِ قرآن، خلیفۂ راشد، زبانِ نبوت سے ہادی و مہدی اور امین کا لقب پانے والے، امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ سلام اللہ علیہ کی اس پُر خلوص دعا کے بعد بھی مسلمان کہلانے والے کسی شخص کو کیا یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آپ کی نیک نیتی و خلوص کے خلاف زبان و قلم کی باگیں کھولے؟ اگر آپ کی نیت میں ذرا بھی جھول ہوتا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جیسے مستجاب الدعوات صحابی رسولؐ کی آمین سے بے خوف ہو کر اپنے بیٹے یزیدؒ کے حق میں اس طرح دست بدعا ہوتے۔؟

عہد حاضر کے ایک سبائی "نے نواز" کا یہ کہنا قطعاً غلط اور مقامِ صحابیت سے ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ:۔

"یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا ـــــ الخ"

(خلافت و ملوکیت ص ۱۵۰)

درحقیقت اس طرح کی تبرائی باتیں، سبائی علمبرداروں کی اس لوکھلاہٹ کا کرشمہ ہیں جو سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہونے والے ناقابلِ انکار اجتماعات میں کیڑے نکالنے کی غرض سے ایجاد کئے گئے ہیں۔ چنانچہ کبھی کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے ذاتی مفادات سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا

گیا۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ رشوتیں دے کر لوگوں کی رائے حاصل کی گئیں ـــ کبھی کہا جاتا ہے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی وغیرہ وغیرہ۔ ذرا غور فرمائیں ـــ اگر مالی رشوتیں اور عہدوں میں ترقیاں دے دے کر رائے عامہ ہموار کی جا سکتی، یا طاقت اور دھونس کے ذریعہ لوگوں کو خوفزدہ کر کے بیعت پر آمادہ کیا جا سکتا تو اتنے بڑے بڑے اجتماعات کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی ـــ اگر بات اتنی ہی تھی کہ کچھ لوگوں کو مال کی چمک دمک دکھا کر راضی کر لیا جائے اور کچھ کے سروں پر ننگی شمشیریں لٹکا کر کام نکال لیا جائے، یہ سب کچھ تو گھر بیٹھے کرایا جا سکتا تھا۔ اس کے لئے ایک ایک شخص کی رائے کے احترام میں اس احتیاط برتنے کی کیا ضرورت تھی، جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے۔

بنا بر این ـــ وہ تمام حکایات و روایات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں جن کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں کہ ولی عہدی کے سلسلہ میں لوگوں نے خوش دلی سے آمادگی ظاہر نہ کی تھی، بلکہ خوف اور لالچ کے ہر ممکن ـــ جائز و ناجائز ـــ وسائل استعمال کر کے انہیں اپنے ایمان و ضمیر اور مرضی کے خلاف بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا، چنانچہ علامہ مسلم بن قتیبہ دینوریؒ کے نام کی آڑ لے کر تقیہ کی ناپاک چادر میں چھپے ہوئے سبائی مؤلف کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

والقوم سکوتٌ ولم یتکلموا شیئاً حذر القتل۔

(الامامۃ والسیاسۃ ج۱ ص ۱۹۰)

"ساری قوم چپ سادھے رہی۔ اور قتل کے ڈر سے کسی نے زبان تک نہ کھولی۔"

یہ ہے بدنما اور مکروہ منظر کشی بدر و حنین کے مجاہدوں، اُحد و خندق کے شہسواروں، اور صلح حدیبیہ کے موقعہ پر "رضی اللہ عنہم" کی سند پانے والے ان خوش قسمت اور مقدس انسانوں کی جنہیں اسلام کی تاریخ میں صحابہ کرام کے محترم نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جن کے ایمان و یقین۔ تقویٰ و طہارت اور رشد و صالحیت کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح دی ہے:۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا، لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○ (پ۱۰ سورت انفال)

"جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، نیز وہ جنہوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی۔ وہی سچے پکے مسلمان ہیں ان کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔"

۲۔ لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (پ۱۰ سورہ توبہ)

"لیکن رسول اور اس پر ایمان لانے والے (صحابہؓ) نے اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔ انہیں کے لئے نیکیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

۳۔ ..... وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ

نِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (پ۲۶ سورت حجرات)

" لیکن اللہ نے تم میں ایمان کی محبت ڈالدی اور اسے تمہارے دلوں میں رچا دیا۔ نیز کفر و فسق اور نافرمانی سے نفرت تم میں پیدا کر دی، یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں۔ اللہ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

اگر ولی عہدی کی اس تجویز کو ذاتی مفادات سے اپیلیں کر کے جنم دیا گیا ہوتا ——— یا اس میں شرعی، اخلاقی اور قانونی کسی بھی قسم کی برائی ہوتی ——— یا ولی عہدی کے لئے سیدنا یزیدؒ کی نامزدگی میں اللہ اور اس کے رسول برحق کی نافرمانی و بغاوت کا شائبہ بھی ہوتا، تو پھر اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا، اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ جیسے، ربانی اعزازات پانے والے وہ صحابہ کرامؓ کسی حال میں اس پر آمادہ و رضامند نہ ہوتے، جنہیں اللہ نے اپنے دین اور اپنے نبی کی نبوت و رسالت پر گواہ قرار دیا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔
(پ۲ سورت بقرہ)

" اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی روش امت بنایا ہے تاکہ تم باقی لوگوں پر گواہ رہو۔"

تاریخ میں محفوظ واقعات شاہد ہیں کہ اصحاب رسول صلوات اللہ و سلامہٗ علیہم موت سے کھیل جانے اور شدید ترین آزمائش و امتحان میں کود پڑنے اور نبرد آزما ہونے کے لئے تو تیار رہتے تھے، لیکن دین و ایمان اور ضمیر کے خلاف کسی بھی نافرمانی و مصلحت کوشی کو انہوں نے کبھی قبول

نہیں کیا۔ خواہ اس عزیمت و استقامت کی خاطر انہیں کتنی ہی کٹھن راہوں اور دشوار گذار گھاٹیوں سے ہی کیوں نہ گذرنا پڑا ہو، اور کتنی ہی عظیم ترین قربانیاں کیوں نہ دینی پڑی ہوں ——— یہی تو وہ صاحبِ عزم و شجاعت اصحابِ رسولؐ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید نے کھلے طور پر اعلان کیا کہ وہ دینی معاملات میں کسی بھی ملامت و خوف کی پرواہ نہیں کرتے وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ "پ۶ سورت مائدہ" ——— اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ میں اگر دینی قباحت ہوتی تو پھر حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کی پیروی میں تابعین عظامؒ جان پر تو کھیل سکتے تھے، لیکن کسی خوف یا لالچ میں آکر غلط بات کے سامنے سر تسلیم خم کر کے مداہنت و منافقت اور تقیہ بازی کا اظہار ہرگز نہ کرتے ——— نیز مدبر اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور کاتب قرآن سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ جیسے اکابر امت کی مسلمہ صحابیت اور صحابیت کے لازمی اوصاف ثقاہت و عدالت اس کا بیّن ثبوت ہیں کہ ولی عہدی کی اس تجویز و تحریک میں نہ تو ذاتی اغراض و مفادات اور غیر شرعی احساسات کا دخل تھا، اور نہ ہی اللہ و رسول کے احکام سے سرتابی و نافرمانی کا کوئی شائبہ۔ ایسا ہوتا تو نہ ان حضرات کی جانب سے تحریک کی جاتی اور نہ ہی اس کی تائید و حمایت میں صحابہؓ و تابعینؒ کا وہ فقید المثال " اجماعی فیصلہ " عمل میں آتا ——— جو ہزار پیچ و تاب اور تاویلات کے باوجود بھی ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے۔

غیر صحابی خلفائے اسلام میں سیدنا یزیدؒ ہی وہ خوش نصیب شخص ہیں جن کے زمانۂ ولی عہدی سنہ ۵۰ھ بلکہ اس کے بعد ان کے عہدِ خلافت تک بڑی تعداد میں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے ——— نیز یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اس ولی عہدی کی مخالفت میں ووٹ نہیں دیا۔

مشہور مصری مورخ علامہ محمد خضری بک لکھتے ہیں :-

وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرۃ والکوفۃ ومصر الخ (اتمام الوفاء مطبوعہ مصر ص۱۴۱)

"اس وقت حجاز، شام، بصرہ، کوفہ اور مصر میں بکثرت صحابہ کرامؓ موجود تھے"۔

سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی اور عہد خلافت کے زمانہ میں اگرچہ بکثرت صحابہ کرامؓ بقید حیات تھے، تاہم جن حضرات کے اسمائے گرامی رجال و سیر کی کتابوں میں سنِ وفات کی صراحت کے ساتھ موجود ہیں، شیخ الاسلام، امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں چھان بین کر کے یکجا کیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

شیخ الاسلام علامہ عباسی مرحوم و مغفور ارقام فرماتے ہیں :-

"عہد رسالت و صدر اسلام کی جن محترم ہستیوں - ازواج مطہراتؓ و صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات ابتدائی صفحات میں درج ہیں باعتبار خصوصیات و شان امتیاز حسب ذیل ہیں :-

۱- ازواج مطہرات (امہات المؤمنین) = ۵
۲- اصحاب عشرہ مبشرہ = ۲
۳- بدری صحابہ = ۱۸
۴- اصحاب بیعت الرضوان = ۱۴
۵- دیگر صحابہ = ۲۳۳

= ۲۷۲

ان میں سے تقریباً ایک تہائی یعنی (۸۳) تو امیر یزیدؒ کی ولی عہدی (۵۱ - ۶۰ھ) کے مختلف سنین میں رہ گزار عالم جاودانی ہوئے، باقی (۱۸۹) ان کے عہد خلافت میں حیات رہے اور بعض اس کے بھی بعد تک"۔

(تحقیق مزید ص ۵۸)

مناسب ہوگا کہ ــــ امہات المؤمنینؓ، اصحاب عشرہ مبشرہؓ، اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور دیگر صحابہ کرامؓ کے کچھ اسمائے گرامی مع سنین وفات یہاں درج کر دیئے جائیں، تفصیلی معلومات کے لئے علامہ مرحوم کی کتاب "تحقیق مزید" کے ابتدائی سو صفحات کا مطالعہ کیا جائے۔

امہات المؤمنینؓ

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ــــ سن وفات ۵۴ھ
ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا ــــ " " ۵۶ھ
ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ــــ " " ۵۸ھ
ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ــــ " " ۵۹ھ
ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ــــ " " ۶۱ھ

اصحاب عشرہ مبشرہؓ

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سن وفات ۵۵ھ یا ۵۹ھ
سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ " " ۵۱ھ

اصحاب بدر رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ ۵۱ھ	حضرت ابو بردہ ہانی بن نیارؓ ۵۲ھ
" حارثہ بن نعمان انصاریؓ ۵۲ھ	" ابوطلحہ زید بن سہل انصاریؓ ۵۲ھ
" نعمان بن عمروؓ ۵۴ھ	" ارقم بن ارقمؓ ۵۵ھ
" کعب بن عمرو انصاریؓ ۵۵ھ	" ابو اسید مالک بن ربیعہ انصاریؓ ۶۰ھ
" عمرو بن امیہ الضمریؓ ۶۰ھ	" جابر بن عتیک انصاریؓ ۶۱ھ

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ	۶۳ھ	حضرت شداد بن اوس انصاریؓ	۶۴ھ
، سائب بن خلاد انصاریؓ	۷۱ھ	، جابر بن عبداللہ انصاریؓ	۷۸ھ

اصحابِ بیعتِ رضوان رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ثقفی	۵۱ھ	حضرت عائذ بن ثعلبہؓ	۵۳ھ
، عبداللہ بن المغفلؓ	۶۱ھ	، ثابت بن ضحاک انصاریؓ	۶۴ھ
، فضالہ بن عبید انصاریؓ	۶۹ھ	، عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ	۷۰ھ
، عمرو بن اخطب انصاریؓ	۷۱ھ	، عبداللہ بن عمرؓ	۷۴ھ
، سلمہ بن عمرو انصاریؓ	۷۴ھ	، ابو ثعلبہ بن جرہمؓ	۷۵ھ
، علقمہ بن خالدؓ	۸۷ھ		

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ	۵۱ھ	حضرت ابو عیاش زید بن صامتؓ	۵۱ھ
، جعفر بن ابی سفیان بن حارثؓ	۵۱ھ	، ابو بکرہ ثقفیؓ	۵۲ھ
، ابو موسیٰ اشعریؓ	۵۳ھ	، صعصعہ بن ناجیہؓ	۵۳ھ
، عمران بن حصینؓ	۵۳ھ	، سفیان بن عوف غامدیؓ	۵۳ھ
، کعب بن عجرہ انصاریؓ	۵۴ھ	، دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ	۵۴ھ
، حسان بن ثابت انصاریؓ	۵۴ھ	، جریر بن عبداللہ البجلیؓ	۵۴ھ
، حکیم بن حزام اسدیؓ	۵۴ھ	، حویطب بن عمروؓ	۵۴ھ
، ابو قتادہ انصاریؓ	۵۴ھ	، ثوبان بن مجددؓ	۵۴ھ
، عبداللہ بن انیسؓ	۵۴ھ	، سعید بن یربوعؓ	۵۴ھ
، قثم بن عباس ہاشمیؓ	۵۵ھ	، رویفع بن ثابت انصاریؓ	۵۶ھ
، سائب بن ابی وداعہ سہمیؓ	۵۷ھ	، سمرہ بن جندبؓ	۵۸ھ

حضرت جبیر بن مطعمؓ	۵۹ھ	حضرت اسامہ بن زید کلبیؓ	۵۹ھ
، ابو محذورہ القرشیؓ	۵۹ھ	، سعید بن العاص امویؓ	۵۹ھ
، ابو ہریرہؓ	۵۹ھ	، عبداللہ بن سعد عامریؓ	۵۹ھ
، اوس بن حذیفہ ثقفیؓ	۵۹ھ	، سہل بن ابی حثمہ انصاریؓ	۵۹ھ
، حمزہ بن عمرو اسلمیؓ	۶۱ھ	، ہلال بن الحرثؓ	۶۰ھ
، ابو یزید عقیل بن ابی طالب ہاشمیؓ	۶۰ھ	، شیبہ بن عثمانؓ	۶۱ھ
، عمرو بن حزم انصاریؓ	۶۲ھ	، عبدالمطلب بن ربیعہ ہاشمیؓ	۶۲ھ
، عبداللہ بن زید انصاریؓ	۶۳ھ	، عقبہ بن نافع فہریؓ	۶۳ھ
، مسلم بن عقبہ فہریؓ	۶۳ھ	، ولید بن عقبہ امویؓ	۶۳ھ
، جرہد بن خویلد مزنیؓ	۶۳ھ	، جابر بن عبداللہ قبطیؓ	۶۳ھ
، ضحاک بن قیس فہریؓ	۶۴ھ	، مسور بن مخرمہ قرشیؓ	۶۴ھ
، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ	۶۴ھ	، ابو برزہ اسلمیؓ	۶۴ھ
، ابو سعید بن المعلّیؓ	۶۴ھ	، حارث بن نفیع انصاریؓ	۶۴ھ
، حارثہ بن بدرؓ	۶۴ھ	، زمل بن عمرو العذریؓ	۶۴ھ
، نعمان بن بشیر انصاریؓ	۶۵ھ	، مروان بن الحکمؓ اموی	۶۵ھ
، اسماء بن خارجہؓ	۶۵ھ	، حارث بن عوف لیثیؓ	۶۶ھ
، عبداللہ بن عباسؓ	۶۸ھ	، عبداللہ بن عمرو سہمیؓ	۶۸ھ
، براء ابن عازب انصاریؓ	۶۸ھ	، عدی بن حاتم الطائیؓ	۶۸ھ
، زید بن ارقم انصاریؓ	۶۸ھ	، زید بن خالد الجہنیؓ	۶۸ھ
، خویلد بن عمرو خزاعیؓ	۶۸ھ	، جندب بن عبداللہ البجلیؓ	۶۹ھ
، سفینہؓ مولیٰ رسول اللہ ﷺ	۷۰ھ	، سعید بن نمران ہمدانیؓ	۷۰ھ

Scanned by CamScanner

حضرت ثعلبہ بن حکم لیثی رض	سنہ ۷۰ھ	حضرت حارث بن عمرو مزنی رض	سنہ ۷۰ھ
• عبداللہ بن سائب انصاری رض	سنہ ۷۱ھ	• عبداللہ بن ابی حدرد سلمی رض	سنہ ۷۱ھ
• جابر بن عبداللہ انصاری رض	سنہ ۷۲ھ	• عبداللہ بن حازم اسلمی رض	سنہ ۷۲ھ
• حارث بن سوید رض	سنہ ۷۲ھ	• نافع بن خدیج حارثی رض	سنہ ۷۳ھ
• اوس بن ضمعج حضرمی رض	سنہ ۷۳ھ	• ابو سعید خدری رض	سنہ ۷۴ھ
• جابر بن سمرہ رض	سنہ ۷۴ھ	• زرارہ بن جزء کلابی رض	سنہ ۷۴ھ
• اسود بن یزید رض	سنہ ۷۴ھ	• عرباض بن ساریہ سلمی رض	سنہ ۷۵ھ
• زہیر بن قیس رض	سنہ ۷۶ھ	• سائب بن خباب مدنی رض	سنہ ۷۷ھ
• سائب بن یزید کندی رض	سنہ ۸۰ھ	• جبیر بن نفیر حضرمی رض	سنہ ۸۰ھ
• عبداللہ بن حوالہ اردنی رض	سنہ ۸۰ھ	• جنادہ بن امیہ الدوسی رض	سنہ ۸۰ھ
• طارق بن شہاب البجلی رض	سنہ ۸۳ھ	• اسود بن بلال رض	سنہ ۸۴ھ
• عبداللہ بن جعفر طیار رض	سنہ ۸۵ھ	• عبداللہ بن حارث زبیدی رض	سنہ ۸۶ھ
• عبداللہ بن ثعلبہ رض	سنہ ۸۹ھ	• سہل بن سعد ساعدی رض	سنہ ۹۱ھ
• ابو سنان العبدی رض	سنہ ۹۱ھ	• انس بن مالک انصاری رض	سنہ ۹۳ھ
• سعد بن ایاس الشیبانی رض	سنہ ۹۵ھ	• حارث بن اوس انصاری رض	سنہ ۹۴ھ
• عبداللہ بن بسر المازنی رض	سنہ ۹۶ھ	• محمود بن لبید انصاری رض	سنہ ۹۶ھ
• محمود بن ربیع انصاری رض	سنہ ۹۷ھ	• سہل بن حنیف انصاری رض	سنہ ۱۰۰ھ
• معاویہ بن الحکم سلمی رض	سنہ ۱۰۰ھ	• عامر بن واثلہ لیثی رض	سنہ ۱۰۰ھ

حضرت ابو عنبہ الخولانی رض ، سنہ ۱۰۸ھ

انتخابِ خلیفہ کا اِسلامی تصوّر

- منصبِ خلافت
- الراشدون
- فرق مراتب
- طریق انتخاب
- علمائے محققین کا فیصلہ
- باپ کے بعد بیٹا

انتخابِ خلیفہ کا اسلامی تصوّر

سربراہ کا تقرر ـــــ ہر قوم کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے، جس کے بغیر قومی تشخص، اجتماعی نظم اور دشمنوں سے دفاع وغیرہ جیسے اہم معاملات ناممکن ہوتے ہیں۔ اقوامِ عالم نے اس قومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے متعدد طریقے متعین کئے ہیں دوسری قوموں کے نظامِ حکمرانی چونکہ اس وقت زیرِ بحث نہیں۔ اس لئے ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، یہاں صرف یہ جاننے پر اکتفا کیا جائے گا کہ آیا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سربراہ کے تقرر یا اقتدار کی منتقلی کے بارے میں کوئی راہنمائی کی ہے ـــــ؟

قرآن حکیم، سنّتِ رسول ؐ اور اسوۂ صحابہ ؓ سے معلوم ہوتا ہے اسلام نے اس سلسلہ میں کسی ایک طریقہ کو مختص قرار دے کر دوسرے تمام ممکنہ طریقوں کی ممانعت نہیں کی بلکہ یہ رخصت و سہولت دی ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق جو طریقہ مناسب ہو اختیار کر لیا جائے، البتہ اختیار کردہ طریقہ اور اس کے نتیجہ میں منتخب ہونے والے سربراہ کو جمہورِ امت کی تائید و حمایت حاصل ہونا لازمی ہو، تاکہ "اسلامی خلافت" کے وہ خصوصیات پورے طور پر بروئے عمل آسکیں، جن کے بغیر کسی بھی حکومت کو اللہ اور اس کے رسول کی پسندیدہ ـــــ یا خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ اسلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ منتخب ہونے والا شخص مسلمانوں کی کس ذات، پات یا رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہے اور اس

منصب تک رسائی کے لئے نامزدگی، شورائیت اور جمہوریت وغیرہ انتخابی طریقوں میں سے کونسا فارمولا اختیار کیا گیا۔ اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ حاکم مقرر کرنے اور نظم مملکت چلانے کے لئے چاہے جو بھی صورت اختیار کی جائے لیکن بہر طور مسلم اجتماعیت کو نقصان نہ پہنچنا چاہئے اور نہ ہی اللہ کے بتائے ہوئے اوصاف وخصوصیات کو پامال ہونے دینا چاہئے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (پ۱۸ سورۃ نور)

"تم میں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا، جیساکہ ان سے پہلوں کو دے چکا ہے اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا، اسے ان کے واسطے قوت دے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا (بشرطیکہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں۔ میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بنائیں، اور جو اس کے بعد بھی انکار کریں وہ ہی نافرمان ہیں"

نیز ارشاد باری ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ

الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ٥ (پ۱۷ سورۃ حج)

"اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے"

مندرجہ بالا آیات کریمہ، اگرچہ زیر بحث موضوع سے متعلق خاصے مضامین پر مشتمل ہیں، ہم سردست ان میں سے چند وہ امور بیان کرنے پر اکتفا کریں گے، جنہیں اسلامی ریاست کے بنیادی خصائص کی حیثیت حاصل ہو۔

اول ـــــ امت مسلمہ کے وہ افراد، اسلامی خلافت کی سربراہی وحکمرانی کے صحیح معنی میں مستحق ہوں گے جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کے حامل ہوں

دوم ـــــ اسلامی خلافت میں اللہ کے پسندیدہ دین کو تمکنت وشوکت حاصل ہوگی۔

سوم ـــــ امن وسلامتی اور بے خوفی کا دور دورہ ہوگا۔

چہارم ـــــ يَعْبُدُوْنَنِيْ ـــــ اور اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کے پیش نظر نہ صرف صلاۃ پنجگانہ، بلکہ حقوق وعبادات الٰہی کے منظم ومسلسل پروگرام کو اولیت حاصل رہے گی۔

پنجم ـــــ دولت کی اخذ وتقسیم کے اس عادلانہ اقتصادی نظام کو بڑی اہمیت حاصل ہوگی جسے ایتائے زکوٰۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ششم ـــــ امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے اہم، ضروری اور اصلاحی پروگرام کو وسعت وہمہ گیری حاصل ہوگی، تاکہ انسانی معاشرہ جرائم اور بداعمالیوں سے پاک ہوکر اپنے خالق ومالک جلّ شانہ کی خوشنودی کی جانب جادہ پیما رہ سکے۔

آیت کریمہ میں کیا گیا " وعدۂ استخلاف " اگرچہ شانِ نزول کے اعتبار سے حضرات خلفائے راشدین کی خلافت وحقانیت پر واضح اور ناقابل انکار دلیل ہے اور یقیناً آیات کریمہ میں بیان کردہ اوصاف کی حامل اصحابِ رسولؐ کی خلافت راشدہ اس کا اولین مصداق ہے، لیکن چونکہ قرآن مجید کی رہنمائی و ہدایت زمان ومکان اور اشخاص کی، حد بندیوں سے بالا، قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے عام ہے اس لئے احکام و افضال ربانی کی عمومیت کے پیشِ نظر ماننا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے استخلاف فی الارض کو مسلمانوں کے کسی قبیلے وخاندان، رنگ ونسل، اور کسی طبقے وفرد کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے لئے صرف ایمان اور صالحیت کو کافی سمجھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس عموم کو خصوص میں تبدیل کر کے یہ کہا جائے کہ آیات میں بیان کردہ خلافت نبی صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بعد صرف چند برسوں تک چل کر ختم ہوگئی۔

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبیٌّ خَلَفَہٗ نبیٌّ وَاِنَّہٗ لَانَبِیَّ بعدی فسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاوّل فالاوّل اعطوھم حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سائلھم عما استرعاھم

(بخاری ج ۱ ص ۴۹۱، مسلم ج ۲ ص ۱۲۶)

" بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرام کے ہاتھ میں تھی، جب بھی کسی نبی کا انتقال ہوتا تو دوسرا نبی اس کی قائم مقامی کرتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہونگے اور بہت ہونگے، صحابہ کرامؓ

نے دریافت کیا پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا جو پہلے آتا جائے اس کی بیعت پوری کرو اور تم ان کے حقوق ادا کرتے رہو، اللہ تعالیٰ رعایا کے بارے میں ان سے خود باز پُرس کرلے گا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے اس "متفق علیہ" ارشاد گرامی سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اسلام میں انتخاب خلیفہ کے لئے کوئی مخصوص طریقہ کار نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے متعلق اس اہم اور ضروری معاملہ میں آپؐ واضح ہدایات ارشاد نہ فرماتے، یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معمولات کے بارے میں تو تفصیلی احکام، جاری فرمائیں، لیکن جو معاملہ مسلم قوم کے لئے ریڑھ کی ہڈی سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس کے متعلق آپ نے اجمالی بیان تک کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، وجہ اس کی یہی ہے کہ آپ کی نگاہ میں انتخابِ خلیفہ کے لئے کسی مقرر طریقہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اس لئے اسے اپنے دور کے لئے سربراہ کا چناؤ کرنے والے مسلمانوں پر چھوڑ کر صرف ان اوصاف وخصائص بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا جو مسلمان سربراہ اور اسلامی خلافت کے لئے ضروری تھے۔ اور جن کے بغیر اسلامی خلافت کا تصور ہی بے معنیٰ ہے ——— دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بعد بہت خلفاء ہوں گے جنہیں کسی خاص تعداد تک محدود ومقید نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی اصولی طور پر اسلامی خلافت کو مخصوص اشخاص اور کسی خاندان یا قبیلے کے ساتھ مختص قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً آپؐ انتخابی دستور کی اس اہم شق کو صراحت کے ساتھ ضرور بیان فرماتے، اس لئے لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جس طرح گذشتہ سطور میں پیش کردہ آیات کریمہ انتخابِ خلیفہ کے سلسلہ میں رخصت

دوسعت پر مشتمل ہیں، اسی عموم کو ارشادِ نبوی میں بیان فرمایا گیا ہے۔ بنا بریں بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ قیامت تک نسل انسانی کی راہنمائی کرنے والا اسلام جس خلافت کا طالب ہے اسے عہدِ رسالت کے بعد زمان و مکان اور اشخاص کا ہرگز پابند نہیں کیا جاسکتا، البتہ یہ بات بالکل درست وثابت ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اللہ کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق پیشین گوئی کے انداز میں فرمایا کہ :-

لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش ۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲، مسلم ج ۲ ص ۱۱۹)

"اسلام ہمیشہ غالب وسربلند رہے گا، بارہ خلفاء تک جو سب قریش ہوں گے۔"

حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی اس روایت میں سنن ابوداؤد جلد دوم ص ۵۸۸ کے مطابق یہ الفاظ مزید بیان ہوئے ہیں کلھم تجتمع علیہ الامۃ یعنی یہ تمام خلفاء وہ ہوں گے جن پر امت مجتمع ہوئی ہوگی۔

اس روایت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلامی خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے قریش کے لئے مختص قرار دیا ہے، اسی لئے ان حضرات کا کہنا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا لازمی شرط ہے، غیر قریشی شخص کی خلافت درست نہیں ـــــ حالانکہ ذہن کو ہر قسم کی بے جا جانب داری اور پیشگی قائم کردہ تصورات سے خالی کر کے روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ اس ارشاد مبارک میں نبی صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے اپنے بعد خلفاء کے لئے قریشی ہونا، لازمی شرط بطور بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ ایک پیشینگوئی ہے جس میں آپ نے بہ اطلاعِ ربانی مستقبل میں درپیش تکوینی معاملہ کی خبر دی ہے کہ میرے بعد ایسا ہوگا۔ اس بیان کو صحتِ خلافت کے لئے

دستوری ضابطہ سمجھ لینا قطعاً صحیح نہیں ـــــ عہدِ رسالت کے بعد ہونے والے ان خلفاء کے دور میں اسلامی شوکت وسربلندی سے متعلق خوشخبری اور ان سب کی خلافت پر امتِ مسلمہ کے اجماع کی اطلاع اس بات کا ناقابلِ انکار ثبوت ہیں کہ یہ ایک پیشینگوئی ہے، انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی حکم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

حضرات خلفائے راشدینؓ ـــ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت معاویہؓ، نیز دیگر خلفائے بنی امیہ کی خوش نصیبی کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی پیشگوئی کا مصداق ہو کر دین اسلام کو سرسبز وسربلند رکھنے کی توفیق ملی ذٰلک الفضل من اللہ ونعمتہ۔

شارحین کرام نے زیر بحث حدیث میں وارد شدہ بارہ خلفائے اسلام کی تفصیل بتلاتے ہوئے پانچویں خلیفہ کے طور پر سیدنا معاویہؓ اور چھٹے خلیفہ کی حیثیت سے سیدنا یزیدؒ بن معاویہؓ کو شمار کیا ہے۔

علامہ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

فالاثنی عشر ھم الخلفاء الراشدون الاربعۃ ومعاویۃ وابنہ یزید وعبدالملک بن مروان واولادہ الاربعۃ وبینھم عمر بن عبدالعزیز ۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۴ مجتبائی)

"ارشاد نبوی میں ذکر کردہ بارہ خلفاء یہ ہیں ـــــ چار خلفائے راشدین، حضرت معاویہ اور ان کے صاحبزادے امیر یزید، عبدالملک بن مروان اور ان کے چاروں لڑکے (ولید، سلیمان، ہشام، یزید) نیز انہی میں عمر بن عبدالعزیز بھی ہیں۔"

علامہ السید سلیمان ندوی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاضؒ اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجرؒ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ[۱۲] خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ[۱]، حضرت عمرؓ[۲]، حضرت عثمانؓ[۳]، حضرت علیؓ[۴]، امیر معاویہؓ[۵]، یزید[۶]، عبدالملک[۷]، ولید[۸]، سلیمان[۹]، عمر بن عبدالعزیز[۱۰]، یزید ثانی[۱۱]، ہشام[۱۲]۔" (سیرت النبیؐ جلد سوم ص ۶۰۴)

قرآن مجید کی واضح آیات اور پیش کردہ ان صحیح احادیث کے مقابلہ میں عموماً ایک روایت پیش کی جاتی ہے، مناسب ہو کہ اس پر بھی غور کرتے چلیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا :-

الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك

(ترمذی ج ۲ ص ۳۲۶)

"میری امت میں خلافت تیس برس رہے گی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔"

اس روایت کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ تیس[۳۰] سال کی مدت حضرات خلفائے ثلاثہ کی پچیس[۲۵] سالہ خلافت اور حضرت علیؓ کے ساڑھے چار سالہ پرفتن دور کے چھ[۶] مہینے بعد اس وقت پوری ہوتی ہے جب حضرت حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ اس لئے سیدنا حسنؓ کے بعد ہونے والے حکمران خلیفہ نہیں بادشاہ ہوئے اور ان کی حکومت، خلافت نہیں ملوکیت و بادشاہت تھی اور وہ بھی کٹکھنی (ملک عضوض) یعنی زبردستی اور دھینگا مشتی کی۔

مشہور ومعروف مصری محقق، علامہ محب الدین الخطیب رح تحریر فرماتے ہیں

"حضرت سفینہ رض سے اس حدیث کا راوی سعید بن جہان ہے اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، بعض نے اسے ثقہ کہا، امام ابوحاتم نے کہا اس بوڑھے سے احتجاج نہ کیا جائے۔ اور اس کی سند میں حشرج بن نباتہ واسطی ہے، بعض نے اسے ثقہ کہا ہے اور نسائی نے کہا کمزور ہے اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اس حدیث کو شوید بن طحان سے روایت کرتے ہیں ان کے متعلق حافظ ابن حجر تقریب میں کہتے ہیں، اس کی حدیث کمزور ہے۔"

(العواصم من القواصم عربی ص ۲۰۱ — اردو ص ۳۲۶)

زیر بحث روایت کے اسی سقم اور فنی کمزوری کی وجہ سے علماء کو اس کے صحیح تسلیم کرنے میں تامل رہا ہے۔

حجۃ الاسلام قاضی ابوبکر ابن العربی رح ارقام فرماتے ہیں:-

هذا حديث لا يصح —— العواصم من القواصم ص ۲۰۱

یہ حدیث صحیح نہیں ہے —— العواصم اردو ص ۳۲۶

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون رح اندلسی لکھتے ہیں کہ:-

"حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کی صحت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔"

(تاریخ ابن خلدون اردو ج ۱ ص ۵۵۸)

غرضیکہ اس کمزور اور بودے روایتی سہارے کو بنیاد بنا کر کتاب وسنت کی واضح اور عام ہدایات کے مقابلہ میں پیش کرتے ہوئے یہ کہنا قطعاً درست نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بعد خلافت صرف تیس ۳۰ برس قائم رہی اور اس کے بعد عوض و تیل کی بادشاہت کا سلسلہ شروع ہوگیا ——

تاریخ کے گہرے مطالعہ سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ روایت صرف اس لئے وضع کی گئی ہے تاکہ حضرت علی رض کا آزمائشی اور خانہ جنگیوں سے بھرا ہوا ساڑھے چار سالہ پرفتن دور گذرنے کے بعد حضرت معاویہ رض اور آپ کے بعد دیگر خلفائے بنوامیہ کے کامیاب دورِ خلافت اور ان کے زریں کارناموں پر دھول اڑائی جاسکے۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وحی ربانی سے سرفراز ہو کر پیشینگوئی ارشاد فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے خانہ جنگی و برادرکشی اور پریشانیوں سے بھرے ہوئے زمانہ کو تو "خلافت" جیسے مقدس عنوان میں داخل فرمایا ہو۔ لیکن سیدنا معاویہ رض اور سیدنا یزید رح وغیرہ خلفائے اسلام کے اس عہد کو تیس ۳۰ سال سے باہر ہونے کے جرم میں خلافت کے لفظ تک سے محروم قرار دیدیا ہو، جس میں اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر سربلندی و شوکت حاصل رہی کہ ہزار جتن کے باوجود آج تک تاریخ کے سینے سے اسے کھرچا نہیں جاسکا۔

الراشدون

قرآن وسنت اور مقام صحابہ رض کی عظمت سے بے خبر لوگوں کو مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ خلفائے راشدین صرف چار ہیں۔ انہیں چاروں حضرات سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی خلافت ہی خلافتِ راشدہ ہے ان کے بعد سیدنا معاویہ رض سمیت تمام خلفاء نہ "راشد" ہیں اور نہ ہی ان کی حکمرانی کو خلافت کا نام دیا جاسکتا ہے —— حالانکہ قرآن مجید میں تمام صحابہ کرام رض کو "الراشدون" فرمایا گیا ہے:-

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً

(پ ۲۶ سورت حجرات)

"یہی (صحابہ کرام رض) اللہ کے فضل و کرم سے راشد یعنی نیک چلن ہیں۔"

سیدنا معاویہؓ بھی چونکہ جماعت صحابہ ہی کے ایک ممتاز فرد ہیں اس لئے لامحالہ ارشاد ربانی کے مطابق وہ "راشد" ہیں ـــــ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپؓ کے ذریعہ قائم شدہ نظام حکومت کو خلافت راشدہ کے علاوہ کسی دوسرے نام سے موسوم کیا جائے ـــــ کیسی عجیب بات ہے کہ آفات و فتن اور دھند دکار سے بھرا ہوا "عَلَوِیْ دَوْر" تو خلافت راشدہ ہو اور امن و عافیت، سلامتی و اتحاد سے بھرپور حضرت معاویہؓ کے اس عہد مبارک کو ملوکیت اور گھٹیا بادشاہت کا نام دے کر کیڑے نکالے جائیں، جس کے آغاز کو نہ صرف ہمعصر امت نے "عام الجماعت" کے عنوان سے تعبیر کیا ـــــ بلکہ تاریخ اسلام اسے اسی ایمان افروز نام سے آج تک اپنے اوراق میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔

لَارَیْبَ قرآن مجید کی مقدس ہدایات پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص بھی کسی ایسی حکومت کو بُرے معنیٰ میں بادشاہت یا ملوکیت کہنے کی جرآت و جسارت نہیں کرسکتا، جس کے قیام و سربراہی کے فرائض، اللہ کے ارشاد فرمودہ اوصاف کے مطابق، صحابیٔ رسولؐ انجام دے رہے ہوں یا جس میں انتظامی و اصلاحی معاملات اصحاب رسول صَلَوٰتُ اللہِ علیہم کی نگرانی میں طے پاتے ہوں۔

فرقِ مراتب

اب تک کی گفتگو سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ قرآن و سنت کی رُو سے اسلامی خلافت اشخاص و اوقات میں محدود نہیں، "الراشدون" کا ربانی لقب پانے والے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد دیگر باصلاحیت و خوش قسمت افراد جنہیں گذشتہ صفحات میں درج کردہ آیات استخلاف و تمکین میں بیان کئے گئے اوصاف و خصائص کی حامل حکمرانی کا موقعہ ملا، بلاشبہ وہ سب ہی بشارت نبویؐ کے مصداق خلفائے اسلام تھے اور ان کا قائم کردہ اجتماعی نظام ہی درحقیقت

وہ اسلامی خلافت تھی جس میں نبی صادق صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دینِ اسلام کو عظمت و شوکت اور سربلندی و سرفرازی حاصل رہی ـــــ لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کے بعد ہونے والے تمام خلفاء اور ان کی خلافتیں مساویانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ حاشَا وکلَّا۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ـــــ بلکہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدّیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان ذوالنورینؓ جس طرح تمام جماعتِ صحابہ میں منفرد اور سب سے بلند مقام رکھتے ہیں، اسی طرح ان کی خلافت راشدہ کو بھی بعد کی تمام خلافتوں سے اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے ـــــ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ سیدنا معاویہؓ بھی خلیفہ راشد ہیں اور آپ نے اپنی خلافت راشدہ کے زمانے میں اسلام اور انسانیت کی بیش از بیش خدمات انجام دیں۔ نیز یہ بھی ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آپ کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ صحابی نہیں ایک جلیل القدر تابعی تھے جن کے عہدِ خلافت میں کاروبارِ خلافت عملاً صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں تھا۔ بایں ہمہ ان ہر دو "سیدین، کریمین" کی خلافت کو خلفائے راشدین ثلاثہؓ کے برابر اور ہم پلّہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ یعنی حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کو فضیلت و خلافت ہر دو اوصاف میں وہ بلند و ممتاز درجہ حاصل ہے جہاں امت کا بڑے سے بڑا شخص بھی رسائی نہیں پاسکتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :-

كنا في زمن النبي صلى الله عليه وسلم لا نعدل بابي بكرٍ احدًا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لا نفاضل بينهم .

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۳، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۳۶، مشکوٰۃ ص ۵۵۵)

"ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان کو ــــ پھر ہم صحابہ کرام میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے۔"

سنن ابوداؤد ص ۶۳۶ ج ۲ کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی زندگی اور موجودگی میں یہ بات کہا کرتے تھے ــــ نیز طبرانی بحوالہ فتح الباری کی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ :-

فيسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ينكر

(حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۲۳)

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری یہ بات سن کر، انکار نہ فرماتے تھے۔"

سیدنا علیؓ کے صاحبزادے سیدنا محمدؒ بن علیؓ ــــ جنہیں عموماً "ابن حنفیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ــــ فرماتے ہیں کہ :-

قلتُ لابي اي الناس خيرٌ بعد النبي صلى الله عليه وسلم قال ابوبكر فقال قلت ثم من قال عمر وخشيتُ ان يقول عثمان قلتُ ثم انت قال ما انا إلّا رجلٌ من المسلمين .

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۸، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳۶)

"میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے معلوم کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل کون ہے تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے پھر دریافت کیا کہ ان کے بعد کون؟ تو آپ نے فرمایا کہ عمرؓ۔ مجھے خوف ہوا کہ اب کی مرتبہ آپ حضرت عثمانؓ کا نام لیں گے، اس لئے میں نے عرض کیا کہ پھر (حضرت ابوبکر و عمر کے بعد) آپ کا مرتبہ ہے ــــ اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو عام مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔"

سیدنا ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اس پر ایک شخص نے کہا :-

رأيت كان ميزانًا نزل من السماء فوزنت انت وابوبكر فرجحت انت، ووزن ابوبكر وعمر فرجح ابوبكر، ووزن عمر وعثمان فرجح عمر ثم رفع الميزان فاستاء بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني فساءه ذلك فقال خلافة نبوة ثم يوتي الله الملك من يشاء .

(مشکوٰۃ ص ۵۶۰، ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳۷، ترمذی ج ۲ ص ۵۲)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری ہے، آپ اور ابوبکر تولے گئے تو آپ کا وزن زیادہ رہا۔ ابوبکر و عمر تولے گئے تو ابوبکر کا وزن زیادہ رہا اور عمر و عثمان تولے گئے تو عمر کا وزن زیادہ رہا۔ پھر ترازو اٹھالی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر گرانی ہوئی۔ اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ "خلافت نبوت" ہے اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا حکومت دے گا۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ بیان فرماتے ہیں :-

ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اُرِیَ اللیلۃ رجلٌ صالحٌ ان ابابکر نیط برسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم و نیط عمر بابی بکر و نیط عثمان بعمر۔ قال جابر فلما قمنا من عند رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم، اما تنوط بعضھم ببعض فھم ولاۃ ھذا الامر الذی بعث اللّٰہ بہ نبیّہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

(ابوداؤد ج۲ ص ۶۳۷، مشکوٰۃ ص ۵۶۳)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات ایک نیک شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکرؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹکائے گئے۔ عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے اور عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے ___ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریمؐ کے پاس سے اٹھے تو ہم نے آپس میں کہا کہ وہ نیک شخص جسے یہ خواب دکھایا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور رہا حضرات ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے کے دامن سے لٹکنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس دین کے حاکم و خلفاء ہوں گے جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے ۔

حضرت سمرۃ بن جندبؓ فرماتے ہیں :-

انّ رجلاً قال یا رسول اللّٰہ رأیت کأنّ دلوًا دلّی من السماء فجاء ابوبکر فاخذ بعراقیھا فشرب شربًا

حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رکھا پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز سُنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں پھر آپ نے ان کو لے کر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی تسبیح کی آواز سُنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ "خلافت نبوت" ہے۔"

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحبؒ لکھنوی مندرجہ بالا روایت بحوالہ بزار، طبرانی فی الاوسط اور سنن بیہقی نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یہ روایت ابن عساکر نے حضرت انسؓ سے نقل کی ہے اور اس میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد پھر اور جسقدر صحابی بیٹھے تھے سب کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے وہ کنکریاں آپ نے رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں انہوں نے تسبیح نہ پڑھی۔"

(سیرت خلفائے راشدین ص ۲۱۴)

مندرجہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرات خلفائے راشدین ثلاثہؓ کو پوری جماعت صحابہ میں افضلیت حاصل ہے۔ ہمعصر صحابہؓ، نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی موجودگی ہی میں کسی بھی دوسرے شخص کو ان کا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے ہمعصر صحابہؓ کے اس فیصلے سے آگاہ ہوکر نکیر نہ فرماتے ہوئے مہر تصدیق ثبت فرمائی ـــــ دوسری بات ان روایات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت "خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت" تھی، جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "خلافت خاصہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی وہ تینوں

خلافتیں ہیں جن میں تمکین فی الارض، امن وسلامتی اور دینی سربلندی و استحکام کی وہ تمام خصوصیات کامل طور پر پائی جاتی تھیں جنہیں قرآن کی رو سے آیات و احادیث خلافت راشدہ کے لئے ضروری شرائط کا درجہ حاصل ہے ـــــ نیز ان ارشادات نبویہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی یہ خلافت "راشدہ علیٰ منہاج النبوت" سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت پر اختتام کو پہنچی۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت ثمامہ بن عدیؓ کو جو عہد عثمانی میں یمن کے عامل و گورنر تھے، جب حضرت عثمان کی کربناک شہادت کی خبر ہوئی تو مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے شدت غم سے رو پڑے اور دیر تک روتے رہے۔ پھر کہا کہ:

"آج امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا"

(الاستیعاب ج۱ ص ۷۹ و طبقات ابن سعد ج۳ ق ۱-۲)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح و تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نخواہد شد۔" (ازالۃ الخفاء ج۱ ص ۲۲۹)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے بہت سی احادیث میں صراحت و وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد "خلافت خاصہ" منتظم نہ ہو سکے گی۔"

خلافت راشدہ کی اس اعلیٰ قسم یعنی "خلافت خاصہ" کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح کے مطابق "خلافت عامہ" کا دور شروع ہوا جس میں عہد علوی کی پُر فتن حکمرانی سے نکل کر سیدنا حسنؓ و سیدنا معاویہؓ کی پُرسکون خلافت کے بعد بہت سے خلفاء ہوئے ـــــ خلافت خاصہ کے اختتام پر قائم ہونے والی خلافتوں میں سیدنا حسنؓ و سیدنا معاویہؓ کی دو خلافتیں ایسی ہیں جنہیں مسلمان

قوم کی متفقہ تائید وحمایت حاصل رہی ۔اسی لئے ان کے دوران امن وعافیت، انسانی ہمدردی ومحبت، اسلامی خدمات اور تسخیر و فتوحات جیسی تمام نعمتیں پوری طرح موجود رہیں۔ پھران باتوں میں بتدریج کمی آتی چلی گئی ۔تاآنکہ بنو عباس نے عجمیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور سازباز کر کے بنوامیہ کا تختہ الٹ دیا ۔

عہدِ مرتضوی

چند صفحات پہلے قرآن مجید کی واضح ہدایت کی روشنی میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے تمام صحابہ کرام "راشد" ہیں ــــ چونکہ حضرت علیؓ کا صحابی ہونا محتاجِ تعارف نہیں، اس لئے لازماً تسلیم کرنا ہوگا کہ بلاشبہ آپ حضرات خلفائے راشدین، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا معاویہؓ نیز دیگر تمام صحابہ کرام کی طرح اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ میں شامل ہیں ــــ اس لئے اگر آپ کو حسبِ سابق پرامن حالات میں ہمعصر امت کی حمایت سے خلافت ملتی تو یقیناً آپ بھی "صحابی راشد" کی طرح اسلامی خلافت کی ذمہ داریوں سے بحُسن وخوبی عہدہ برآ ہوسکتے تھے ۔لیکن یہ تاریخ کا المناک واقعہ ہے کہ سبائیوں اور عجمی منافقوں نے پہلے تو آپ کی خدمت میں رسائی حاصل کی اور پھر انہیں نے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کو قتل کر کے سیدنا علیؓ کی خلافت کا اعلان کردیا ۔اور ایک سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق خود ہی حکومت کے تمام سیاسی وانتظامی معاملات پر مسلّط ہوگئے ، جس کے نتیجہ میں حالات نے انتشار اور خانہ جنگی کا رُخ اختیار کرلیا ــــ نوبت بایں جا رسید کہ آخر دم تک آپ کی خلافت ہمعصر امت کی نگاہ میں نزاعی مسئلہ بنی رہی اور ایک لاکھ مسلمانوں کے خون کی ارزانی کے باوجود ...

اور "سنن ابوداؤد کی اُوپر نقل کردہ روایت کے ان الفاظ کی سچی تعبیر ثابت ہوا :۔

ثم جاء علیؓ فاخذ بعراقیها فانتشطت وانتضح علیه منها شیءٌ .

"یعنی جب اس ڈول کو حضرت علیؓ نے پکڑا تو وہ پھٹ گیا ۔اور اس میں سے کچھ چھینٹیں ان پر پڑیں ۔"

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

حضرت مرتضیٰ باوجود وفورِ اوصافِ خلافتِ خاصہ در وے ، متمکن نہ شد در خلافت و در اقطارِ ارض حکمِ او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر می شد تاآنکہ در آخر ایام بجز کوفہ وما حولِ آن محلِ حکومت نماند ۔

(ازالۃ الخفاء ج۲ ص ۲۴۹)

"حضرت علیؓ خلافتِ خاصہ کے بہت سے اوصاف رکھنے کے باوجود خلافت پر متمکن نہ ہوسکے اور نہ ہی زمین میں ان کا حکم نافذ ہوسکا ۔ہر روز ان کی حکومت کا دائرہ تنگ تر ہوتا چلا گیا ، یہاں تک کہ آخری دنوں میں ان کی حکومت صرف کوفہ اور اس کے مضافات تک محدود ہوکر رہ گئی تھی ۔"

مسئلۂ خلافت سے متعلق تفصیلی بحث ہماری کتاب "حضرت علی کی سیاسی زندگی" میں دیکھی جاسکتی ہے ۔یہاں مختصر طور پر یہ بتلانا مقصود ہے کہ اسلام میں سربراہِ مملکت کے لئے کسی مخصوص شخص کا ہونا ضروری نہیں ۔بلکہ ہر وہ مسلمان شخص جسے ہمعصر جمہور کی بھرپور حمایت حاصل ہو اور وہ ان شرائط وخصوصیات کو پورا اور نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جنہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے اس سلسلہ میں لازمی قرار دیا ہے ...

قطع نظر بہ نسبت خلافت کی اہلیت اوروں کے مقابلے میں زیادہ مستحق ہوگا۔

طریق انتخاب

سربراہ، والی، حاکم اور خلیفہ کے انتخاب و تقرر سے متعلق اسلام نے کوئی ایسا لگا بندھا طریق بیان نہیں کیا، جس کے علاوہ باقی تمام طریقوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہو۔ بلکہ منتخب ہونے والے خلیفہ میں چند شرائط کی پابندی کے ساتھ اس بات کی آزادی دی گئی ہے کہ مسلمان جس طرح چاہیں اپنی ضرورت و حالات کے مطابق کسی مناسب شخص کو اپنا والی مقرر کرلیں ـــــ البتہ سب سے اہم ترین چیز اہل اسلام کی اجتماعیت و شیرازہ بندی ہے جسے کسی حال میں نقصان نہ پہنچنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت اور عمل صحابہؓ سے جس طریق انتخاب کی پسندیدگی کا ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ سربراہ پر ذمہ داری ہے کہ عام حالات میں وہ خود ہی اپنے بعد کے لئے جانشین مقرر کر جائے، تاکہ اندرونی یا بیرونی عوامل و محرکات کو مسلم اجتماعیت و اتحاد میں رخنہ اندازی کا موقعہ نہ مل سکے ـــــ نیز یاد رہے کہ اس جانشینی و نامزدگی کے لئے بھی کسی متعین شکل کو مختص نہیں کیا گیا، بلکہ اس میں حالات و ضروریات کی مطابقت سے کمی و بیشی اختیار کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید، سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدینؓ کے طرز عمل تک اسی جانشینی والے طریقہ انتخاب کی پسندیدگی و رجحان کا ثبوت ملتا ہے۔

مندرجہ ذیل حقائق پر بنظر انصاف غور فرمائیں۔ ان شاء اللہ ہمارے اس دعوے کی حقانیت آفتاب نیمروز کی مانند واضح ہو جائے گی۔

اوّل: سیدنا ابوبکر صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بچپن کے دوست، نبوت کے بعد آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ اسلام کی خاطر خدمت میں تمام صحابہؓ میں ممتاز۔ ہجرت سے قبل اور بعد چھوٹے بڑے تمام معاملات

میں آپ کے رفیق و ندیم، زندگی بھر آپ کے مخلص مشیر اور معتمد وزیر رہے ـــ بنابریں وفات سے پیشتر اپنی بیماری کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے انہیں اپنی جانشینی و نیابت میں صلاۃ پنجگانہ کی امامت پر مامور فرمایا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے قوم میں میری نیابت کا حق کسی دوسرے کو نہیں۔ بلکہ آپ نے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے لئے اپنے بعد خلافت کا پروانہ لکھ دیں تاکہ کسی بھی دوسرے شخص کے تنافس و انکار کا امکان نہ رہے، لیکن جب بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوگیا کہ میرے بعد ابوبکرؓ کی خلافت ہی مقدر ہو چکی ہے تو آپ نے تحریر کا ارادہ ملتوی فرمادیا۔ نیز آپ اپنے بعد لوگوں کو حضرت ابوبکرؓ کی جانب رجوع کی تلقین فرماتے تھے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:۔

مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاشتد مرضہ فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس، قالت عائشۃ انہ رجل رقیق اذا قام مقامک لم یستطع ان یصلی بالناس قال مری ابابکر فلیصل بالناس ..... فصلی بالناس فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بخاری ج ۱ ص ۹۳ و مسلم ج ۱ ص ۱۷۹)

"جب نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی بیماری نے شدت اختیار کرلی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ سیدہ عائشہ نے عرض کیا کہ وہ نرم دل ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ! ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں .... چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم

زندگی میں نمازیں پڑھائیں"

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضؓ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ (ترمذی ج۲ ص ۲۰۸)

"جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں، اس کی امامت وسیادت ان کے سوا کسی اور کو زیب نہیں دیتی"

سیدۃ نساء العالمین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مرض وفات میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے مجھ سے فرمایا :-

ادعی لی ابا بکر واخاکِ حتی اکتب کتاباً فانی اخاف ان یتمنی متمنٍ ویقول قائلٌ أنا اولی ، ویأبی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر ۔ (مسلم ج۲ ص ۲۷۳ و بخاری ج۲ ص ۸۴۶، ۱۰۷۲ و مشکوۃ ص ۵۴۹)

"میری طرف سے اپنے والد ابوبکرؓ اور بھائی (عبدالرحمنؓ) کو بلوا بھیجو. تاکہ میں ایک تحریر لکھ دوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی (خلافت کی) آرزو نہ کرنے اور کوئی یہ کہنے لگے کہ میں زیادہ حقدار ہوں (خیر اب رہنے دو) اللہ اور ایمان والے ابوبکر کے علاوہ کسی سے راضی نہ ہوں گے"

حضرت جبیر بن مطعمؓ نقل فرماتے ہیں :-

أتتِ امرأۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرھا ان ترجع الیہ قالت ارأیتَ ان جئتُ ولم اجدکَ کانھا تقول الموت قال ان لم تجدنی فأتی ابا بکر ۔

(بخاری ج۱ ص ۵۱۶ و مسلم ج۲ ص ۲۷۳)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے پاس ایک عورت کسی کام سے آئی. آپ نے اسے پھر آنے کو فرمایا۔ وہ کہنے لگی کہ اگر میں آکر آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا انتقال ہو چکا ہو۔ تو پھر ؟ — آپ نے جواب دیا کہ اس صورت میں تم ابوبکرؓ کے پاس آنا"

یہ اور اس طرح کے بے شمار براہین اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی نگاہ میں اجتماعیت کس قدر عزیز تھی اور آپ مسلم شیرازہ بندی کے خلاف امکانی خطرے کے معاملے میں کس قدر حساس تھے — آپ جانتے تھے کہ اگر میرے بعد حصول خلافت کے لئے متعدد افراد سرگرم عمل ہو گئے تو اس کر آپ کی زندگی بھر کی محنت داؤ پر لگ جائے گی۔ اور یہ صورتِ حال آپ کے لئے بہر طور ناقابل برداشت تھی، اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ اپنی زندگی ہی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت کے لئے تحریراً نامزد فرما جائیں، چنانچہ اسی مقصد کے لئے آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمنؓ کو بلوایا — لیکن پھر آپ نے یہ ارادہ ملتوی فرما دیا، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اللہ نے آپ کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ یأبی اللہ والمؤمنون الا ابا بکرٍ یعنی اس سلسلہ میں پریشان خاطر نہ ہوں، آپ کا دلی منشا ہی پورا ہوگا، اس لئے اس آگاہی کے بعد کسی دستاویز و تحریر کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔

چنانچہ شارحِ مسلم علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں :-

فی ھذا الحدیث دلالۃ ظاھرۃ بفضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ واخبار منہ صلی اللہ علیہ وسلم بما سیقع فی المستقبل بعد وفاتہ وان المسلمین یأبون عقد الخلافۃ لغیرہ ۔ (نووی شرح مسلم ج۲ ص ۲۷۳)

"اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی واضح فضیلت موجود ہے۔ نیز یہ کہ آپ نے اپنی وفات کے بعد ہونے والے اس واقعہ کی بحکم الٰہی اطلاع دی کہ اہل اسلام حضرت ابوبکر رضؓ کے علاوہ کسی اور کی خلافت پر راضی ہی نہ ہوں گے"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور علامہ محمد بن عثمان ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

فهذا من اخباره بالكوائن بعده، ولهذا اعرض عن الكتابة لابي بكر لما علم ان الله يجمعهم عليه وان المؤمنين يبايعونه ولا يختلفون عليه ـــــ الخ

المنتقیٰ ص ۵۶۲

منہاج السنۃ ج ۴ ص ۴۹۲

"یہ (یابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر) مستقبل سے متعلق پیشین گوئی تھی، اسی لئے آپؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ کے لئے اس تحریر سے اعراض برتا۔ کیونکہ آپؐ کو (بہ وحی الٰہی) معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ انکی خلافت پر سب کو مجتمع کرے گا نیز مسلمان بھی حضرت ابوبکر رضؓ ہی سے بیعت کریں گے اور ان سے اختلاف نہ کریں گے"

دوسری وجہ تحریر سے رُک جانے کی یہ تھی کہ آپ کی تحریری اور واضح نامزدگی کے بعد چونکہ اس بات کا امکان تھا کہ اسی ایک طریقہ کو لازمی و دائمی نہ سمجھ لیا جائے، تو گویا اس طرح خلافت کے معاملہ میں قرآن مجید کی دی ہوئی وسعت و عموم کے ایک ہی شکل میں "شرعاً" محدود ہو جانے کا خطرہ تھا، اس لئے آپ نے تحریراً نامزدگی کا ارادہ ترک فرماتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضؓ کی افضلیت و اہمیت ذہن نشین کرانے اور وفات سے پیشتر عملاً اپنے مصلّٰی امامت پر فائز فرمانے پر اکتفا کیا،

بالکل اسی طرح جیسے آپ نے صلاۃ تراویح بجماعت کو فرضیت و مشقت کے خطرے سے صرف تین دن پڑھانے پر اکتفا فرمایا تھا۔

چنانچہ وفات نبویؐ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عملی فیصلے کو [illegible] نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے لئے استحقاق خلافت کی دلیل قرار دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس دنیا سے) اٹھا لئے گئے تو انصار نے (مہاجرین سے) کہا کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ عمرؓ ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے گروہ انصار کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا، بے شک (جانتے ہیں) عمرؓ نے کہا کہ پھر تم میں کوئی شخص ہے جس کا دل اس سے خوش ہو کہ وہ ابوبکرؓ کے آگے بڑھے؟ انہوں نے کہا اس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم ابوبکرؓ کے آگے بڑھیں"

(طبقات ابن سعد اردو ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت حسنؒ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت علیؓ نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم نے امرِ خلافت میں نظر کی۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ نے ابوبکرؓ کو نماز میں آگے کر دیا۔ لہذا ہم اپنی دنیا کے لئے اس شخص سے راضی ہو گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کے لئے راضی ہوئے۔ ہم نے ابوبکرؓ کو آگے کر دیا (اور انہیں بالاتفاق خلیفہ بنا دیا)"

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۱)

حضرت علیؓ بن عبد مناف فرماتے ہیں:۔

قدمك رسول الله صلی الله علیه وسلم فی امر دیننا
فمن الذی یوخرك فی دنیانا ۔

(لمعات بحوالہ حاشیہ ترمذی ج۲ ص ۲۰۸)

"اے خلیفۂ رسول ! آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم نے ہمارے دینی معاملات میں مقدم فرمایا ہے، پھر وہ کون ہے جو ہماری دنیا کے معاملہ (خلافت) سے آپ کو پیچھے کر سکے ہے؟"

دوم :- جانشینِ رسولؐ ، سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کو انتقال سے پندرہ دن پہلے بخار کا عارضہ لاحق ہوا۔ جب ہر ممکن تدبیر کے باوجود طبیعت رو بصحت نہ ہوئی۔ بلکہ ہر لحظہ مایوسانہ کیفیت قریب تر ہوتی چلی گئی تو آپ نے ضروری خیال فرمایا کہ وفات سے قبل ہی کسی مناسب شخص کو اپنے بعد مسلمانوں کی خلافت وحکمرانی کے لئے متعین و نامزد کر دیا جائے ـــــ تاکہ اس طرح ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کی سنت مبارکہ پر بھی عمل ہو سکے، جو حضور علیہ السلام نے خود انہیں عملاً اپنا جانشین بنا کر اختیار فرمائی تھی۔ اور دوسری جانب خلافت تک رسائی حاصل کرنے والے متعدد امیدواروں کی طرف سے رسہ کشی اور مقابلہ آرائی کے نتیجہ میں اختلاف و انتشار کے امکان کا سدباب کیا جا سکے۔

بالآخر آپؓ نے مُرادِ رسولؐ، جناب سیدنا عمر، فاروق اعظمؓ کو اپنے بعد خلافت کی نامزدگی کے لئے منتخب کیا، اور پھر سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو بلا کر حضرت عمرؓ کی ولی عہدی وجانشینی کا حکمنامہ لکھوایا۔

مصری مؤرخ علامہ محمد خضری بک لکھتے ہیں :-

لما مرض ابوبکرؓ واحس بدنو اجله رأى مصلحة المسلمین فی ان ینتخب خلیفتهم قبل موته وذلك ما

یعتبر بولایة عهد وکانوا یحسون دائماً بأن کثیرین یرون انفسهم اهلاً للخلافة وهم احق بها فاذا ترك الناس من غیر عهد انتشر عقد نظامهم وکان یری عمر بن الخطاب اجدر الناس بالخلافة ـــــ

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج۱ ص ۱۹۶)

"جب حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوسی ہوئی، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ اپنی وفات سے قبل ان کے لئے کسی خلیفہ کا تعین کر دیا جائے، انتخابِ خلیفہ کے اسی طریقہ کو ولی عہدی سے تعبیر کیا جاتا ہے ـــــ اس وقت کتنے ہی اشخاص اپنے آپ کو خلافت کا حق دار خیال کرتے تھے، اس لئے اگر یہ ولی عہدی کا فیصلہ نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے میں حضرت عمرؓ خلافت جیسی اہم ذمہ داری کی صلاحیت اوروں سے زیادہ رکھتے تھے؟

علامہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

کانت وفاة الصدیق رضی الله عنه فی یوم الاثنین عشیة، و قیل بعد المغرب ودفن من لیلة وذلك ثمان بقین من جمادی الآخرة سنة ثلاث عشرة بعد مرض خمسة عشر یوماً ۔ وکان عمر ابن الخطاب یصلی عنه فیها بالمسلمین . وفی اثناء هذا المرض عهد بالامر من بعده الی عمر بن الخطاب وکان الذی کتب العهد عثمان بن عفان وقرئ علی المسلمین فاقروا به وسمعوا له واطاعوا ۔

(البدایہ والنہایہ ج۷ ص ۱۸)

• ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری — پیر کے دن — رات بعد صلاۃ مغرب
پندرہ دن بیمار رہ کر سیدنا ابوبکرؓ کا انتقال ہوا، اور اسی رات تدفین
ہوئی۔ ان کی بیماری کے ایام میں حضرت عمرؓ نائب کی حیثیت سے مسلمانوں
کی امامت کرتے رہے — بیماری کے دوران حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو
اپنے بعد معاملاتِ خلافت کے لئے نامزد کیا۔ نامزدگی کی تحریر حضرت عثمانؓ
نے لکھی اور انہیں نے حضرت ابوبکرؓ کی موجودگی میں) مسلمانوں کو سنائی،
جسے لوگوں نے بطیب و بخوشی تسلیم کر لیا۔"

شیعہ مورخ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ:

• ابوبکرؓ نے عثمانؓ کو تخلیے میں بلایا اور اُن سے کہا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یہ عہد نامہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے نام لکھا ہے امابعد —
اس کے بعد ابوبکرؓ پر غشی طاری ہو گئی اور بے خبر ہو گئے اس لئے عثمانؓ نے
یہ لکھ دیا، امابعد میں تم پر عمر بن الخطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، میں نے
حتی المقدور تمہاری خیر خواہی میں کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر ابوبکرؓ ہوش
میں آ گئے، آپ نے عثمانؓ سے کہا سناؤ تم نے کیا لکھا ہے۔ عثمانؓ نے پڑھ کر
سنایا، ابوبکرؓ نے تکبیر پڑھی اور کہا میں سمجھتا ہوں کہ شاید تمہیں یہ اندیشہ ہوا
کہ اگر اس غشی میں میری روح پرواز کر گئی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا
عثمانؓ نے کہا ہاں میں نے یہی خیال کیا تھا، ابوبکرؓ نے کہا اللہ تم کو اسلام اور
مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اس کے بعد ابوبکرؓ نے اس مضمون
کو یہیں تک برقرار رکھا۔" (تاریخ طبری اردو ج ۲ ص ۲۷۴)

علامہ محمد بن سعدؒ فرماتے ہیں:-

• حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ابوبکرؓ کی وفات کا وقت آیا تو

انہوں نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان کے پاس علیؓ اور طلحہؓ آئے اور دریافت کیا
کہ آپ نے کس کو خلیفہ بنایا، انہوں نے کہا عمرؓ کو۔ دونوں نے کہا کہ پھر آپ اپنے
رب کو کیا جواب دیں گے ؟ انہوں نے کہا کہ تم دونوں مجھے اللہ سے ڈراتے ہو،
اس لئے کہ میں تم دونوں سے زیادہ اللہ کو اور عمرؓ کو جانتا ہوں۔ میں اللہ سے
کہوں گا کہ میں نے ان پر اس شخص کو خلیفہ بنایا جو ان سب سے بہتر تھا؟"
(طبقات ابن سعد اردو ج ۳ ص ۷۲)

ان تاریخی روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سیدنا عمرؓ کو خلافت کے لئے خلیفۃ الرسول، سیدنا ابوبکرؓ نے اپنی صوابدید اور ذمہ داری پر نامزد کیا تھا۔ نیز اس سلسلہ میں آپ نے چند اکابر صحابہؓ کو اپنے اس فیصلے سے مطلع بھی کر دیا تھا۔ تاہم باقی لوگوں سے قطعاً کوئی پیشگی استصواب نہیں کیا — البتہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ کی جانب سے اس نامزدگی کو کسی نے چیلنج نہیں کیا، بلکہ آپ کے اس بزرگانہ و مصلحانہ فیصلہ کی اصابت و درستگی پر پوری قوم نے اس درجہ اعتماد کا اظہار کیا کہ سر بمہر لفافہ میں لکھے ہوئے خلیفہ کے نام سے آگاہ نہ ہوتے ہوئے بھی بلا استثنا سب ہی نے بیعت کی — ولی عہدی و نامزدگی کے ذریعہ خلیفہ کی تقرری کے جواز اور دیگر انتخابی فارمولوں کے مقابلہ میں ... زیادہ پسندیدہ و افضل ہونے پر قرنِ اول کے اولین دور کا یہ اجماعی فیصلہ ایک ناقابلِ شکست دلیل ہے، جس سے تاریخ کے دیانتدارانہ مطالعہ کے دوران آنکھیں بند کر کے گذر جانا ناممکن ہے۔

اب رہا طبقات ابن سعد کی روایت میں نقل شدہ مکالمہ — تو اس کا تعلق نامزدگی کے جواز یا عدم جواز سے ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ سیدنا عمرؓ کی طبیعت میں پائی جانے والی اس سختی و درشتی سے متعلق ہے جو اُن کی زندگی میں ایک نمایاں وصف کی

حیثیت رکھتی تھی اور جس کا ظہور ان کی جانب سے عہدِ نبوی و صدیقی میں ہو تا رہا تھا ـــــ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے اطمینان بخش جواب کے بعد حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ یا کسی بھی شخص کی جانب سے کسی بے اطمینانی کا اظہار نہیں کیا گیا۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں :-

"ابوبکرؓ نے اپنے مرض الموت کے زمانے میں عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیا تھا، کہتے ہیں کہ جب آپ نے اس کا ارادہ کیا تھا اس وقت عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور ان سے کہا بتلاؤ عمرؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا اے خلیفۂ رسول وہ اوروں کی بہ نسبت آپ کی رائے سے بھی افضل ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا شدت ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا یہ شدت اس وجہ سے تھی کہ وہ مجھ کو نرم دیکھتے تھے جب حکومت خود ان کو تفویض ہو گی تو اس قسم کی اکثر باتیں چھوڑ دیں گے۔ اے ابو محمد، میں نے ان کو بغور دیکھا ہے کہ جس وقت میں کسی شخص پر کسی معاملے میں غضبناک ہوتا تو عمرؓ مجھ کو اس پر راضی ہونے کا مشورہ دیتے تھے اور جب میں کسی پر نرم ہوتا تو وہ مجھ کو اس پر سختی کرنے کا مشورہ دیتے۔ اے ابو محمد! یہ باتیں جو میں نے تم سے کہیں ہیں تم ان کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ عبدالرحمٰن نے کہا بہت اچھا۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۳)

سوم ۳ :- عدلِ مجسم، سیدنا عمر فاروق اعظمؓ۔ ابولؤلؤ فیروز نامی مشہور تو بی سفاک کے قاتلانہ حملے سے نمازِ فجر پڑھاتے ہوئے زخمی ہوئے ـــــ زخم اتنے خطرناک تھے کہ شمعِ حیات مدھم پڑتی چلی گئی ـــــ اسی دوران آپ سے درخواست کی گئی کہ زندگی ہی میں کسی شخص کو اپنا جانشین مقرر کر جائیں، تاکہ مسلم اجتماعیت کو کسی قسم کا خطرہ درپیش نہ ہو۔ نیز اسلامی خلافت کا وہ تسلسل بھی برقرار رہ سکے جو سیدنا

ابوبکرؓ نے آپ کو اپنا جانشین نامزد کر کے قائم رکھا تھا ـــــ آگے بڑھنے سے پہلے اس سلسلہ کی بعض روایات ملاحظہ فرماتے چلیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

قیل لعمر الا تستخلف قال ان استخلف فقد استخلف من ھو خیر منّی ابوبکر و ان اترک فقد ترک من ھو خیر منّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۲، مسلم ج ۲ ص ۱۲۰)

"حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ آپ بعد کے لئے خلیفہ مقرر کر دیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نامزد کر دوں تو بے شک مجھ سے پہلے بہتر یعنی حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد (مجھے) نامزد کیا۔ اور اگر یونہی چھوڑ جاؤں تو مجھ سے بہت بہتر یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (صراحت کے ساتھ نامزدگی کو) چھوڑے رکھا تھا؟

قدیم مورخ علامہ محمد بن سعدؒ ـــــ اور مشہور شیعہ مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے فرمایا :-

"تم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اگر کسی کو خلیفہ نامزد کر دوں تو مجھ سے بہتر شخصیت (ابو بکر) نے بھی خلیفہ نامزد کیا تھا اور اگر میں کسی کو بھی نامزد نہ کروں تو مجھ سے بہتر شخصیت (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا؟ (تاریخ طبری اردو ج ۳ ص ۲۸۹

طبقات ابن سعد اردو ج ۳ ص ۱۴۶)

ان ہی ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ :-

"جب حضرت عمرؓ بن الخطاب زخمی ہوئے تو آپ سے کہا گیا۔ اے امیر المؤمنین

Scanned by CamScanner

آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کریں۔ آپ نے فرمایا۔ میں کس کو خلیفہ مقرر کروں اگر حضرت ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کرتا۔ اگر میرا پروردگار قیامت کے دن مجھ سے بازپرس کرتا تو میں جواب دیتا۔ میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین ہیں۔ اگر ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتے تو میں انہیں بھی خلیفہ مقرر کر سکتا تھا۔ اگر میرا رب ان کے بارے میں سوال کرتا تو میں عرض کرتا۔ میں نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ سالم اللہ تعالیٰ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا۔ میں آپ کے سامنے عبداللہ بن عمر کا نام پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا تمہیں غارت کرے، خدا کی قسم اللہ کے سامنے کبھی میں نے اس قسم کی آرزو نہیں کی تم پر افسوس ہے کہ میں کیسے اس شخص کو خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو (صحیح اور شرعی) طریقہ سے طلاق دینے سے عاجز رہا ہو۔" (تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۸۸ وطبقات ابن سعد مختصراً ص ۱۴۶/۳ج و ص ۲۰۱/۳ج)

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ اس دور میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ ولی عہدی و نامزدگی کے طریقہ کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن وافضل اور اجتماعی افادیت کے پیش نظر بہتر سمجھتے تھے ـــــ اسی لئے انہوں نے حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کا مشورہ دیا۔ نیز حضرت عمرؓ نے بھی ان کے مشورے کو خلافِ شرع یا نامناسب قرار دیکر رد نہیں فرمایا بلکہ اصولاً آپ نے ان کی تائید فرماتے ہوئے دو شخصوں کے نام لے کر کہا کہ اگر امین الامت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت سالمؓ زندہ ہوتے تو ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد کرتا ـــــ تاہم بعض ناگزیر اور پیچیدہ وجوہات کے پیش نظر آپ نے مناسب خیال فرمایا کہ نامزدگی کے لئے کسی ایک شخص کے تعیّن کی بجائے،

ان سب حضرات کو نامزدگی کے دائرے میں شامل کر لیا جائے جو معاملاتِ خلافت میں دلچسپی لیتے رہے ہوں یا جن کے ساتھ ذہنی وابستگی رکھنے والے افراد کی طرف سے اپنے امیدوار کے حق میں انتخابی بھاگ، دوڑ (کنویسنگ) کا امکان ہو۔ چنانچہ آپ نے چھ معزز صحابہؓ پر مشتمل انتخابی کونسل نامزد فرمائی، اور انہیں اس بات کا پابند قرار دیا کہ انتخابی کونسل کے یہ نامزد ممبران ان کے انتقال کے بعد تین دن کے اندر باہم مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں:۔

قال ما اجد احق بهذا الامر من هؤلاء او الرهط الذين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض فسمى عليا وعثمان والزبير وطلحة وسعدا وعبد الرحمن بن عوف (بخاری ج ۱ ص ۵۲۴)

"حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے نزدیک خلافت کے لئے سب سے زیادہ مستحق وہی لوگ ہیں جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کے وقت تک خوش رہے، پھر اس سلسلہ میں آپ نے ان حضرات کے نام لئے، حضرات علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد، اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم"۔

بالآخر حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ان کے نامزد ان ہی حضرات نے نہ صرف انتخابی کونسل کی کثرتِ رائے سے سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی ـــــ بلکہ از روئے احتیاط مدینہ منورہ میں موجود تمام لوگوں کو بھی استصواب رائے میں شریک کیا گیا۔

فلما صلى الناس الصبح واجتمع اولئك الرهط عند المنبر فارسل الى من كان حاضرا من المهاجرين والانصار وارسل الى امراء الاجناد ...... فلما اجتمعوا تشهد

عبد الرحمٰن ثم قال اما بعد یا علیؓ انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علی نفسک سبیلاً فقال ابایعک علی سنۃ اللہ و رسولہ والخلیفتان من بعدہ، فبایعہ عبد الرحمٰن وبایعہ الناس والمھاجرون والانصار و اُمراء الاجناد والمسلمون ۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۰)

" جب لوگ صلاۃ صبح ادا کر چکے تو انتخابی کمیٹی کے ممبران منبر کے قریب جمع ہوئے ۔ حضرت عبد الرحمٰن نے مہاجرین و انصار اور امرائے لشکر وغیرہ تمام لوگوں کو بلوایا، جب سب اکٹھا ہو گئے تو حضرت عبد الرحمٰن نے حمد و ثنا کے بعد کہا، اے علی! میں نے لوگوں کی رائے پر غور کیا وہ عثمان رضؓ کے علاوہ کسی کی تائید نہیں کرتے ، اس لئے تم کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہ کرنا ۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمان رضؓ سے کہا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اللہ، اس کے رسول اور ان کے بعد دونوں خلفاء کے طریقے کی بیعت کرتا ہوں ۔ پس مہاجرین و انصار امرائے لشکر اور تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی "

خلاصہ یہ کہ چھ افراد پر مشتمل انتخابی پینل کی نامزدگی اور پھر اسی کی نتیجہ میں سیدنا عثمان ذوالنورین کا خلافت کے لئے چناؤ ، ایک طرح کی ولی عہدی اور جانشینی ہی ہے ——— البتہ جانشینی کے اس طریقہ میں آپ نے قدرے توسیع فرمائی جس کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت ابو بکر رضؓ کے بعد خود آپ کا تقرر عمل میں آیا تھا ۔ بایں طور کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم نے تو بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے حضرت ابو بکر کا نام لے کر خلیفہ مقرر نہیں

فرمایا ، بلکہ عملاً انہیں نائب مقرر کرنے پر اکتفاء کیا ، جسے ہمعصر صحابہ رضؓ نے حضور علیہ السلام کی طرف سے حضرت ابو بکر رضؓ کے حق میں عملی فیصلہ قرار دے کر انہیں جانشین رسول ؐ تسلیم کر لیا ——— اور حضرت ابو بکر رضؓ نے تو صاف طور پر آپ کو نامزد خلیفہ کی حیثیت سے اپنی زندگی ہی میں متعین فرما دیا تھا ——— لیکن حضرت عمر رضؓ نے بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور بعض حضرات کی جانب سے خلافت کے لئے غیر معمولی دلچسپی و سرگرمی دیکھ کر ضروری سمجھا کہ ان حالات میں کسی متعین فرد کا نام لئے بغیر محض اشارات اور عملی ترجیحات کو کافی سمجھ لینا ۔ یا کسی ایک شخص کو نام لے کر خلیفہ مقرر کر جانا ۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے کسی طبقے کو برضا و رغبت تسلیم نہ ہو ، اس لئے کہ اب نہ کسی شخص کو حضرت ابو بکر رضؓ جیسی بلا استثناء افضلیت حاصل ہے جس کی کسی کو انکار و انحراف کی مجال نہ ہو ۔ اور نہ ہی حضرت عمر رضؓ جیسی کوئی عبقری شخصیت موجود ہے جس کے رعب و جلال کے آگے کسی قسم کے نامناسب خیال و اقدام کو راہ پانے اور پنپنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے ۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر آپ نے ولی عہدی و جانشینی کے نبوی و صدیقی تسلسل کو باقی رکھتے ہوئے ، اس میں اتنا اضافہ ضروری سمجھا کہ نامزدگی کو کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص و محدود کرنے کی بجائے ان تمام حضرات کو "نامزد کونسل" میں شریک کر لیا تاکہ باہم صلاح ، مشورے سے وہ جس کو بھی مقرر کریں گے اسے رائے عامہ کی مکمل حمایت و تائید حاصل رہے گی ۔ صحیح مسلم و بخاری کی اوپر نقل کردہ روایت میں آپ نے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے ۔

چہارم :- نبی کریم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضؓ صدیق کو عملاً اپنا جانشین مقرر فرمایا ۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد کیا ——— اور حضرت عمر رضؓ نے چھ افراد کی انتخابی کونسل نامزد کی جس کے نتیجے میں انکے "نامزد رکن کونسل" حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کا انتخاب عمل میں آیا ——— ان

پیشرو تین نمونوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر سیدنا عثمان بن ذوالنورین کی خلافت میں آخر تک حالات معمول کے مطابق پرسکون رہتے تو آپ بھی جانشینی و جانشینی کے اسی پسندیدہ و محمود طریقہ کو روبعمل لاتے جو آپ سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے پسند و اختیار فرمایا تھا۔

لیکن افسوس کہ آپ کی خلافت کے آخری دنوں میں سبائی افتراق انگیزی اور بعض قابل احترام بزرگوں کا سہارا لے کر عجمی منافقین کی اسلام دشمن اور انتقامی شورشوں نے نہ صرف اسلامی ریاست کے طول و عرض بلکہ مسلمانوں کے روحانی و سیاسی مرکز کا امن و سکون غارت کر کے رکھ دیا۔ اور ایسے پرفتن حالات پیدا کر دیئے کہ سیدنا عثمان ذوالنورین اسلامی خلافت کے مستقبل سے متعلق قبل از وقت کوئی ہدایت نہ کر سکے۔

سیدنا حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اصاب عثمان بن عفان رعاف شدید سنة الرعاف حتی حبسه
عن الحج واوصٰی فدخل علیه رجل من قریش فقال استخلف
فقال وقالوا قال نعم قال ومن فسکت۔ فدخل علیه رجل
اخر احسبه الحارث فقال استخلف فقال عثمان وقالوا فقال

ان روایات سے مندرجہ ذیل تین باتیں معلوم ہوئیں۔ اوّل یہ کہ ایک خلیفہ کا اپنی حیات ہی میں کسی مناسب شخص کو اپنے بعد کے لئے جانشین نامزد کرنا، صرف جائز نہیں بلکہ اس زمانہ خیر القرون میں مستحسن، مقبول اور پسندیدہ طریقہ بھی تھا جب ہی تو ہمعصر امت نے حضرت عثمانؓ کو جانشین نامزد کرنے کا مشورہ دیا ——— دوّم یہ کہ نکسیر کے شدید حملے کے دوران حضرت عثمانؓ جیسے مقدس خلیفہ راشد نے سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کی نامزدگی سے متعلق وصیت نامہ لکھوا کر جانشینی کے اسی پسندیدہ و مختار طریقہ کو قائم رکھنا چاہا تھا جو نبوی، صدیقی اور فاروقی عملی تسلسل کی ایک کڑی تھی۔ لیکن افسوس اس واقعہ کے چھ ماہ بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات ہوگئی، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے نامزد خلیفہ کی حیثیت سے خلافت کی ذمہ داریاں نہ سنبھالتے ——— سوّم یہ کہ سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں لوگوں کا عموماً یہ خیال تھا کہ آپ کے بعد سیدنا زبیر بن العوامؓ خلافت جیسی اہم ذمہ داری کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ اسی لئے متعدد حضرات نے رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کو ان کے احساسات سے مطلع کیا ——— اور سیدنا عثمانؓ نے اس پر کسی نکیر کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ حضرت زبیرؓ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے ان کے استحقاق کی توثیق فرمائی ——— ان حالات میں بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر حالات معمول پر رہتے اور شورشی تحریک کی سنگینی مسلم قوم کی اجتماعیت کے بارے میں پرسکون سوچ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتی تو یقیناً سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وفات کے بعد، سیدنا عثمانؓ حسب سابق رسول کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور برادر نسبتی سیدنا زبیر بن عوامؓ کو آئندہ کے لئے خلیفہ نامزد فرماتے۔ لیکن ع،

پیش آتا ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

پانچویں ——— عجمی منافقین اور ان کی انگیخت پر کوفہ، بصرہ اور مصر کے شرپسند بلوائیوں نے خلیفہ سوم، دامادِ رسول، سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کو شہید کرکے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان کردیا اور بہ جبر زبردستی لوگوں کو بیعتِ خلافت کے لئے مجبور کیا گیا ——— اعلانِ خلافت کی یہ صورت ناپسندیدہ شرانگیزی کے نتیجہ میں ہنگامی طور پر پیش آئی اس لئے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر لوگوں کو اپنی مرضی سے خلیفہ منتخب کرنے کا موقعہ ملتا تو وہ کس شخص کو پسند کرتے؟ البتہ صحیح بخاری کے حوالے سے اوپر درج کردہ روایت کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت کے لئے لوگوں کی نگاہیں عموماً سیدنا زبیرؓ کی جانب تھیں۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی ہوا اسے ضابطے کی کاروائی قرار نہیں دیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ اسے ہمعصر امت میں آخر تک قبولِ عام حاصل نہ ہوسکا ——— یہاں تک کہ جب حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن ملجم کے قاتلانہ حملے سے شدید زخمی ہوتے تو آپ نے اپنے صاحبزادے سیدنا حسنؓ کو اپنی جگہ مصلائے امامت پر متعین کیا۔ نیز جب لوگوں نے حضرت حسنؓ کو ان کے بعد خلیفہ بنا لینے کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ:-

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں تم لوگ زیادہ مناسب سمجھتے ہو۔" (تاریخ طبری ج ۴ ص ۵۰۲)

اس سے پتہ چلا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک قبل از وقت جانشین کے تقرر میں کوئی قباحت نہ تھی، جب ہی آپ نے کھلے لفظوں اس کی تردید نہیں فرمائی۔ البتہ انہیں اپنی پارٹی پر مسلسل تجربات کی روشنی میں کسی بھلائی کی توقع نہ تھی، انہیں مکمل طور پر یقین ہو چکا تھا کہ جس قوم کی بنیاد پر حاصل شدہ "برائے نام" خلافت کے دوران وہ ان کی اطاعت و اعتماد حاصل کرسکنے میں کامیاب نہ ہوسکے، ان پر آئندہ کے لئے بھی قطعاً بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے آپ نے واضح طریق پر حضرت حسنؓ کو نامزد نہ

کے لئے نامزد کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف صلاۃ پنجگانہ کی امامت پر مامور فرمانے پر اکتفا کیا —— چونکہ اس وقت خلیفہ کی طرف سے کسی شخص کا "بلا تحدید امامت" پر مقرر ہونا، اس کی جانشینی کے استحقاق کی علامت سمجھی جاتی تھی اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر سیدنا علیؓ کو اپنی پارٹی اور حالات کی سازگاری پر اطمینان ہوتا تو یقیناً آپ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پیدا ہونے والے خلاء کے بعد جانشینی کے سابقہ تسلسل ہی کو برقرار رکھتے، جیسا کہ بعض شیعہ محققین کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ نے واضح ہدایات کے ذریعہ اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو اہلِ کوفہ پر نامزد خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

چنانچہ شیعہ مجتہد و محقق ملا باقر مجلسی ایرانی لکھتے ہیں کہ :-

"وقتِ وصیت جناب امیرؑ نے تمام فرزندان و اہل بیت اور اپنے مردانِ شیعہ کو جمع فرمایا۔ اور امام حسنؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔"

(جلاء العیون جلد اول ص ۲۶۹ و ۳۳۳)

الحاصل —— سیدنا حضرت علیؓ نے جانشینی و خلافت کے لئے اپنے بیٹے سیدنا حسنؓ کا تقرر کرکے نامزدگی کے سلسلہ کی اس شق کو واضح کر دیا کہ جس طرح مسلمان خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بعد کے لئے کسی بھی مناسب و باصلاحیت شخص کو خلیفہ نامزد کر دے، بالکل اسی طرح اس کو یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو خلیفہ نامزد کر دے —— یاد رہے کہ حضرت علیؓ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ باپ کے بعد بیٹے کی نامزدگی و تقرر کو اختیار فرمایا۔

ششم :- حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ لیکن آپ والد ماجد کی آزمائشی خلافت کے آغاز سے لے کر خانہ جنگیوں سے بھرے ساڑھے چار سالہ دور کے اختتام تک رونما ہونے والے حادثات اور ان کے اسباب و عواقب پر غور و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ والد صاحب

کی حکومت میں انتظامی و سیاسی معاملات پر عجمی منافقوں اور سبائیوں کے تسلط سے پیدا شدہ بگڑے ہوئے حالات میں کوفہ کی محدود حکمرانی سے عہدہ برآ ہونا بھی دشوار ہے بالخصوص جبکہ اپنے والد سے ورثہ میں ملنے والی عسکری قوت انتشار و پراگندگی کا شکار ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

ولما رای الحسن بن علی تفرق جیشه علیه مقتهم وکتب عند ذلک الی معاویة بن ابی سفیان —— الخ (البدایة والنہایة ص ۱۴ ج ۸)

جب حضرت حسنؓ نے محسوس کیا کہ ان کا لشکر ان سے علیحدگی اور خفگی پر آمادہ ہے۔ اس وقت آپ نے حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو صلح کے لئے لکھا۔"

ان حالات میں سیدنا حسنؓ نے اپنی طبیعت میں پائی جانے والی صلح و اتحاد کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری سمجھا کہ مزید تاخیر کئے بغیر عالم اسلام کے عظیم مدبر و منتظم سیدنا معاویہؓ کو پوری اسلامی ریاست کا متفق علیہ خلیفہ ہو جانا چاہئے۔ تاکہ ان کی خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ بگڑے ہوئے سابقہ حالات کو مزید خراب و ابتر ہونے سے بچایا جا سکے —— بالآخر سیدنا حسنؓ نے جلد ہی اپنے زیر فرمان علاقوں کی نامزد حکمرانی سے دستبردار ہو کر کاتب قرآن سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ سیدنا حسنؓ نے اپنے والد حضرت علیؓ سے ملنے والی امانت سیدنا معاویہؓ کو اس کا اہل اور امین سمجھ کر ان کے حوالہ کر کے جانشینی و نامزدگی کے سلسلہ کو باقی رکھا۔

ہفتم :- **سیدنا حسنؓ کی طرف سے اس سپردگی کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت پر لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی مسلم قوم کا وہ عظیم اجماع منعقد ہو گیا جس کی نظیر پیش کرنے سے اقوام عالم کی تاریخ عاجز ہے، برسوں کی خانہ جنگی و اختلاف کے بعد اس اتفاق و اتحاد کے سال کو تاریخ میں "عام الجماعت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی**

اتحاد و اتفاق کا سال —— اس طرح سیدنا معاویہؓ ہی وہ منفرد شخصیت کے مالک ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلم اجتماعیت کی ڈگمگاتی اور ڈوبتی ہوئی کشتی کو ایک بار پھر بسوئے منزل جادہ پیما کیا اور ایک دو سال نہیں، بیس۲۰ برس سے متجاوز عرصہ پر حاوی عہد میں بھرپور خدمت کا موقعہ عنایت فرمایا۔

بالآخر جب سیدنا معاویہؓ بڑھاپے کی عمر کو پہنچے تو آپ نے صحابیٔ رسولؐ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تحریک اور اسلامی ریاست سے مکمل استصوابِ رائے کے بعد اپنے صاحبزادے حضرت یزیدؒ کو اپنے بعد خلافت کے لئے ولیعہد مقرر کر کے جانشینی کے اسی تسلسل کو اختیار فرمایا جو حضرت علیؓ کے ہنگامی تقرر کے علاوہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم سے لے کر اب تک معمول چلا آرہا تھا۔

حاصل یہ کہ اگرچہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو خلیفہ کے چناؤ سے متعلق کسی خاص طریقہ کا حکماً پابند نہیں کیا ... کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ کے اختیار کردہ طرز عمل سے ثابت ہوا کہ انتخابِ خلیفہ کے لئے جانشینی و نامزدگی والا طریقہ ہی پسندیدہ ہے۔ اور نئے سربراہ کے چناؤ کے سلسلہ میں رونما ہونے والے ہر ممکن انتشار و فساد سے بچنے کے لئے یہی طریقہ زیادہ مفید ہے —— جناب سیدنا معاویہؓ نے اس پر عمل کر کے نہ صرف یہ کہ اُس پسندیدہ تسلسل ہی کو باقی رکھ کر "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" کی عملی تعبیر پیش فرمائی۔ بلکہ مسلمان قوم کو ایک تباہ کن انتقام سے محفوظ کر دیا جسے عملی جامہ پہنانے کے لئے عجمی منافقین، سیدنا معاویہؓ کی موت کے منتظر تھے، کہ کب ان کی آنکھیں بند ہوں اور ہم کاروائی شروع کریں ——

کس قدر عجیب بات ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی "کتاب فضائل" سے اسی اہم اور مقدس فضیلت کو صرف نظرانداز ہی نہیں کر دیا جاتا۔ بلکہ برخود غلط قسم کے لوگ جائز و ناجائز کے خود ساختہ معیار پر جانچ کر اسے ایک سیاہ کارنامہ بنا کر پیش کرتے ہوئے بھی شرم و

غیرت محسوس نہیں کرتے —— سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کے پس منظر، اسباب و محرکات اور اس سلسلہ کی تاریخی تفصیلات اپنے مقام پر گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکی اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

علمائے محققین کا فیصلہ

اگرچہ طریقِ انتخاب میں ولی عہدی کا جواز اور پسندیدگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے طرزِ عمل سے ثابت ہو جانے —— نیز اس تاکیدی ارشاد نبویؐ:

فعليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الراشدين المهديين
عضّوا عليها بالنواجذ (مستدرک ج ۱ ص ۹۶)

"تم پر لازم ہے کہ تم میری سُنّت کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو معمول بناؤ اور اسے مضبوطی سے اختیار کرو۔"

کے بعد مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان اور اتمام حجت کی غرض سے بعض علمائے محققین کے بیانات بھی پیش ہیں۔

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ:-

"سب سے اول و افضل و صحیح تر یہ ہے کہ مرنے والا امام اپنے بعد جس کو امام منتخب کرے اسے ولی عہد بنا دے۔ خواہ یہ فعل اپنے زمانۂ صحت میں کرے یا زمانۂ مرض میں، یا موت کے وقت۔ کیونکہ ان میں سے کسی صورت کے ممنوع ہونے پر نہ تو کوئی نص ہے نہ اجماع۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کے ساتھ کیا اور جیسا ابوبکرؓ نے عمرؓ کے ساتھ کیا۔ اور جیسا سلیمانؒ بن عبدالملکؒ نے عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ کیا۔ ہم اس وجہ کو پسند کرتے ہیں اور اس کے ماسوا کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

اس لئے کہ اس میں امامت کا اتصال اور امرِ اسلام و اہلِ اسلام کا استحکام ہے (یعنی ان کے امور کی لڑی ٹوٹنے نہیں پاتی، سلسلہ مسلسل رہتا ہے) اس اختلاف اور شور و شغب کا ازالہ بھی ہے جس کا اندیشہ دوسری صورت میں کیا جا سکتا ہے جبکہ مسلمانوں کو بغیر کسی امیر کے چھوڑ دیا جائے۔ اس میں پراگندگی و سرکشی و طمع کا انسداد بھی ہے۔"

(الملل والنحل مطبوعہ حیدر آباد دکن ج ۳ ص ۱۶۹ تا ۱۷۰)

علامہ ابو الحسن الماوردیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"کیا امامت سابق امام کے کسی شخص کو امام مقرر کرنے سے انعقاد پذیر ہوتی ہے؟ اس کے جائز ہونے پر تمام امت کا اجماع ہے، اور حسب ذیل دو وجوں کی بنا پر تمام مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے، اور وہ اسے نا جائز نہیں سمجھتے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اور مجرد حضرت ابو بکرؓ کے فرمان کی بنا پر تمام مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی امامت کو تسلیم کر لیا ــــــ دوسرے یہ کہ حضرت عمرؓ نے امامت کو اہلِ شوریٰ کے سپرد کر دیا اور اہلِ شوریٰ نے جو اس وقت کے تمام مسلمانوں میں سربر آوردہ تھے اس تجویز کی صحت کی بنا پر اس میں شرکت قبول کر لی ــــــ الخ

(الاحکام السلطانیہ ص ۱۹ و ۳۰)

علامہ عبد الرحمن بن خلدونؒ ارقام فرماتے ہیں :-

"شریعت میں اجماع امت سے اس عمل (یعنی ولی عہدی) کا جواز ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین و

ولی عہد مقرر فرمایا، جس کو تمام صحابہ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے اوپر لازم قرار دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے قبل وفات ولی عہدی کے مسئلے کو عشرہ مبشرہ میں سے چھ بقیہ صحابہ کی صوابدید پر چھوڑا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے کوئی بھی امام چھانٹ لیں۔۔

..... اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی و جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اس سے صاف پتہ چلا کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے اور یہ بات معلوم ہو ہی گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لئے حجت مانا گیا ہے۔ اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولیعہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے اور اس پر اتہام نہیں لگانا چاہئے ------- خصوصاً جبکہ کسی مصلحت کا تقاضا بھی اس کے ساتھ شامل ہو یا کسی فتنہ و فساد کا بچاؤ مدنظر ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کو سرے سے گنجائش نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزیدؒ کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے ارباب حل و عقد کا اتفاق ان کے لئے کافی حجت تھا اور اسی اتحاد و اتفاق کی مصلحت کو سامنے رکھ کر انہوں نے اور لوگوں کو چھوڑ کر یزیدؒ کو اپنی جانشینی کے لئے چھانٹا۔ یہ حقیقت ہے کہ بنی امیہ اس وقت یزیدؒ کے سوا اور کسی کی ولی عہدی کے لئے رضامند ہوتے

والے نہیں تھے اور وہ قریش اور دیگر تمام مسلمانوں کی عصبیت (یعنی قوت وحمایت) اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے۔ خود بھی با اثر تھے اور با شوکت لہذا انہیں حالات کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر یزیدؒ کا انتخاب کیا اور فاضل و بہتر کو نظر انداز کر کے مفضول و کمتر کو مسندِ سلطنت پر لائے صرف اس لالچ سے کہ لوگوں کا اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یکجہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ جس کے بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت ہی اہمیت دی ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں اور کیا کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی مسلّمہ عدالت وصحبت نبوی کو دیکھتے ہوتے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید برآں، اکابر صحابہ کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر بدظنی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ نہ تو صحابہ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے، نہ حضرت معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شانِ مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے ان بزرگوں کی عدالت ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالاتر ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون اردو مطبوعہ کراچی ص ۴۲ و ۲۱
، ، عربی ، مصر ۲۱۰ و ۲۱۱)

علمائے محققین کے ان بیانات سے ثابت ہوا کہ سنّتِ نبوی وسنتِ خلفائے راشدین کے پیش نظر ولی عہدی کے طریقہ پر سربراہ کا تقرر نہ صرف جائز بلکہ افضل و بہتر بھی یہی ہے کہ خلیفہ اپنی زندگی میں کسی مناسب و لائق شخص کو جانشینی کے

لئے نامزد کر جائے۔ تاکہ اس سلسلہ میں قوم کسی انتشار میں مبتلا نہ ہو ـــــ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اسی طور پر مقرر ہوئے تو امت میں مکمل اتحاد و اتفاق قائم رہا۔ اس کے برخلاف جب حضرت عثمان ذوالنورینؓ مجبور کن حالات کی وجہ سے کسی کو نامزد نہ کر پائے تو یہی انتخاب خلیفہ کا معاملہ تھا جس نے مسلمان قوم کو عہد علوی کی ہولناک خانہ جنگیوں سے دوچار کر دیا۔ بایں حالات امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ارباب حل وعقد ہی نہیں پوری ہمعصر امت سے استصواب کے بعد اپنے صاحبزادہ سیدنا یزیدؒ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر کے نہایت ہی صائب فیصلہ فرمایا ـــــ اس وقت کے سیاسی پس منظر اور پرپیچ و نازک صورت حال پر گہری بصیرت سے کام لے کر اس ناگزیر فیصلے کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ ایک طرف اسلام دشمن عناصر بعض مقدس بزرگوں کو آڑ بنا کر اپنا انتقامی پروگرام بنا چکے تھے اور اس کے اثرات اب بھی باقی تھے جنہیں نظر انداز کرنا خانہ جنگی کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ ـــــ دوسری جانب ایک سرے سے دوسرے سرے تک قوم کی مکمل حمایت خاندانِ بنو امیہ کو حاصل تھی۔ جس سے آنکھیں بند کر کے کیا جانے والا فیصلہ قوم کی اتنی بڑی حمایت سے محروم رہتا جس کے بغیر اجتماعی معاملات کو قطعاً استحکام حاصل نہیں ہو سکتا ـــــ ان حالات میں سیدنا معاویہؓ نے اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی کی خاطر وہی فیصلہ کیا جس کی آپ جیسے مدبر اور منتظم سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر حضرت معاویہؓ عصبیت (یعنی قومی حمایت و تائید) کے تقاضے کے خلاف یزیدؒ کے علاوہ کسی اور کو مسندِ امامت پر لاتے تو اس کی امامت قبول کون کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو ہوا جاتی اور قوم اختلاف کا جو شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

باپ کے بعد بیٹا

بعض لوگ سیدنا یزیدؒ کی ولی عہدی کو بنیاد بنا کر سیدنا معاویہؓ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا کر ایک ناجائز فعل کا ارتکاب ہی نہیں کیا بلکہ اسلامی خلافت کو موروثی بادشاہت میں بدل ڈالا۔ حالانکہ خلیفہ راشد سیدنا عمرؓ سے جب ان کے صاحبزادے سیدنا عبداللہؓ کی جانشینی کے متعلق کہا گیا تو انہوں نے اسے سختی کے ساتھ رد فرما دیا تھا۔

ولایتِ عہد اور انتخابِ خلیفہ کے اسلامی تصور سے متعلق پیش کردہ تفصیلی گذارشات کے بعد اگرچہ اس اعتراض کی کوئی علمی حیثیت نہیں رہ جاتی —— تاہم گذشتہ تفصیلات کی جانب مراجعت کی درخواست کے ساتھ مزید عرض ہے کہ یہ اعتراض بوجوہ غلط اور قطعاً بے بنیاد ہے

اوّلاً —— کسی معاملہ کو ناجائز اور خلافِ شرع قرار دینے کے لئے قرآن وسنت کی واضح ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کے ناجائز ہونے پر قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ یا حدیثِ صحیح بھی پیش نہیں کی جاسکتی —— اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید سے تو باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت داود علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کو کسی قسم کی تنقید کے بغیر سراہا گیا ہے۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا ناجائز اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا، تو پھر کیسے ممکن تھا کہ حضرت سلیمانؑ اپنے والد ماجد کے جانشین ہوں —— یاد رہے کہ حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہما السلام، یکے بعد دیگرے ہونے والے حکمران ہی نہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے اس زمرہ میں بھی شامل ہیں جن کے اعمال و افعال کو پسندیدہ دین کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے ماننا ہوگا کہ والد کے بعد جانشینی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی حکمرانی و خلافت کو قرآن مجید میں بلا نکیر نقل فرما کر اللہ تعالیٰ نے سندِ جواز ہی عنایت نہیں فرمائی، بلکہ سورت نور میں "كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" ارشاد فرماتے ہوئے اسی طریق انتخاب کو مسلمانوں کے لئے پسند بھی فرمایا ہے۔

ثانیاً —— اگر باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی واقعی قابل اعتراض ہے تو مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے پہلی جانشینی کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی جس کے ذریعہ حضرت علیؓ کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کوفہ کے حکمران مقرر ہوئے تھے —— اس معاملہ میں شرعاً گنجائش نہ ہوتی تو حضرت علیؓ اسے ہرگز برداشت اختیار نہ فرماتے۔ حیرت ہے۔ کہ جو چیز سیدنا علیؓ کے حق میں قابل اعتراض نہ ہو، وہ سیدنا معاویہؓ کے لئے کیونکر موجبِ الزام قرار دی جاسکتی ہے؟

ثالثاً —— اپنے لئے کسی سربراہ و خلیفہ کا تقرر ہمعصر قوم کی ایک ناگزیر ضرورت ہے جس کا بعد والوں سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا، وہ اپنے حالات و ضروریات کے مطابق جس طرح چاہیں اور جسے چاہیں اپنا حاکم مقرر کریں، بایں ہمہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جس طریقِ انتخاب کو پوری قوم کی تائید وحمایت اور استصواب حاصل ہے اور جس کی صحت و پسندیدگی پر ہمعصر صحابہؓ و تابعین سب ہی نے بالاتفاق مہر تصدیق ثبت کی۔ وہ بعد والوں کے لئے کیوں بے چینی کا باعث ہے۔ جب اس وقت کی مسلمان قوم نے اپنی اجتماعیت کے لئے باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی میں کوئی شرعی قباحت محسوس نہ کی اور سیدنا یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہما کی ولی عہدی و خلافت کو بدل و جان قبول کیا تو اب صدیوں بعد اس اجتماعی فیصلے میں کیڑے ڈالنے اور عیب چینی کرنے کا کسی کو کیا حق پہنچتا ہے؟ —— یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ

خلافت

وفات سیدنا معاویہ رضؓ

بیعت خلافت

وفات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

موت ایک ایسی اٹل اور یقینی حقیقت ہے، جس سے کائنات کا کوئی فرد مستثنیٰ نہیں ــــ دنیا میں بڑے سے بڑے انسان پیدا ہوئے، پلے، بڑھے اور طبعی عمر گزار کر راہ گزارِ عالمِ آخرت ہوئے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کے مقرر کردہ ضابطہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ سے مُستثنیٰ قرار نہ دیئے گئے تو پھر کون ہو سکتا ہے جسے اس دنیائے فانی میں بقاء و دوام کا حامل کہا جا سکتا ہو ــــ چنانچہ امیر المؤمنین، خلیفہ راشد، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عمر کی اٹھتر منزلیں طے کر چکے تھے کہ بیمار ہوئے، بحالیٔ صحت کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار کی گئیں لیکن افاقے کی صورت نہ بن سکی۔

بالآخر چند روزہ مختصر علالت کے بعد ۲۲ رجب سنہ ۶۰ ہجری شب جمعرات آپ کا انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

علامہ حافظ ابن کثیر رح ارقام فرماتے ہیں :-

انہ توفی بدمشق ...... لیلۃ الخمیس لثمانٍ بقین من رجب سنۃ ستین۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۳)

" ماہ رجب سنہ ۶۰ ھ کی آٹھ راتیں باقی تھیں کہ سیدنا معاویہ رض کا دمشق میں انتقال ہو گیا "

شیعہ مؤرخ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ :-

" رجب سنہ ۶۰ ھ کی بائیسویں کو پنجشنبہ کے دن دمشق میں حضرت معاویہ رض

کی وفات ہوئی "۔

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۱۶۳)

ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ امیرالمومنین سیدنا معاویہؓ نے انتقال سے پہلے اپنے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی :-

" اے یزید! ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا ۔ خلافت کا یہ معاملہ تمہارے سپرد ہوا ہے ۔ اور اب تم ان تمام معاملات پر با اختیار ہو جن پر میں تھا ۔ اگر تم نے معاملات خلافت خوش اسلوبی سے انجام دیئے تو یہ بات میرے لئے فخر و سعادت کا باعث ہوگی ۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس سے مجھے دکھ ہوگا ۔ لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا ۔ ان کی طرف سے تمہارے لئے تکلیف دہ اور تمہاری تنقیص آمیز باتیں سرزد ہوں تو ان سے چشم پوشی اختیار کرنا ، اس طرز عمل کے نتیجے میں تمہیں چین ملے گا ، اور تمہارے حق میں رعایا کی اصلاح ہوگی ۔ غیظ و غضب اور جھگڑے کی باتوں سے بچتے رہنا ، ورنہ تمہیں اور تمہاری رعایا دونوں کو نقصان پہنچے گا ۔ خبردار نیک اور بزرگ لوگوں کا ہمیشہ خیال رکھنا ، ان کے ساتھ توہین اور تکبر سے پیش نہ آنا ۔ البتہ اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اسے کمزوری و بے چارگی پر محمول کرنے لگیں ، دربار میں انہیں مقرب ہونے دینا ۔ انہیں اپنے سے قریب رکھنا ، تاکہ وہ تمہارا حق پہچان لیں ۔ نہ ان کی توہین کرنا اور نہ ان کے حقوق میں کمی کرنا ورنہ وہ تمہاری توہین و حق تلفی پر آمادہ ہو جائیں گے ، اور تمہاری راہ میں رکاوٹ بنیں گے ۔ جب کسی کام کا ارادہ کرو تو نیک ، متقی لوگوں میں سے عمر رسیدہ تجربہ کار لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنا ، اور ان کی طے شدہ رائے سے مخالفت نہ کرنا ۔ اپنی ہی رائے پر ضد نہ کرنا ، کیونکہ اکیلے شخص کی رائے کافی نہیں ہوا کرتی ۔ جس بات کو

تم جانتے ہو اگر اس بارے میں کوئی مشورہ دے تو اس کی تصدیق کرنا لیکن ان معاملات کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا ۔

ہر وقت مستعد رہنا ۔ اپنے لشکروں کی حفاظت رکھنا ۔ نیز اپنے آپ کی اصلاح کرتے رہنا ، اس سے تمہارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہوتی رہے گی ۔ اپنے متعلق لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا ہرگز موقعہ نہ دینا ، کیونکہ عام لوگ عیب جوئی میں بہت جلد باز ہوتے ہیں ۔ نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا ۔ اگر تم نے میری ان وصیتوں پر عمل کیا تو لوگ تمہارا حق پہچانیں گے ، تمہاری حکومت عظیم تر ہو جائے گی ، اور لوگوں کی نظروں میں تمہارا وقار بڑھ جائے گا ۔

یاد رکھو! کہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کے عز و شرف کو آنچ نہ آنے دینا ، کیونکہ وہی تمہاری اصل اور برادری کے لوگ ہیں ۔ اہل شام کی توقیر و عزت کی بھی حفاظت کرنا ، کیونکہ وہ تمہارے فرماں بردار ہیں ۔ تمام علاقوں کے باشندوں کی طرف فرامین و تحریرات بھیجتے رہنا ، جن میں ان کے ساتھ نیک سلوک کا عہد کیا گیا ہو ، اس طرح وہ تم سے پُرامید رہیں گے ۔ مختلف بلاد و امصار سے آنے والے وفود کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ، کیونکہ وہ اپنے پیچھے رہے ہوئے لوگوں کے نمائندوں کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ بدگوؤں اور چغلخوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا ، میری رائے میں وہ بدترین مُشیر ہوتے ہیں "۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۹ و ۲۳۰)

اس کے بعد آپ نے گھر والوں اور خاندان کے دیگر افراد کو تقویٰ و نیکی پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی ـــــ نیز تجہیز و تکفین کے بارے میں آپ نے کہا :-

ان یکفن فی ثوب رسول اللّٰہ (ص) الذی کساہ ایاہ و
کان مدخراً عندہ لھذا الیوم وان یجعل ما عندہ
من شعرہ وقلامۃ اظفارہ فی فمہ وانفہ وعینیہ
واذنیہ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۴۳)

"انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے عطا کردہ کرتے میں کفنایا جائے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم کے وہ تراشے ہوئے بال، اور ناخن ان کے منہ، ناک اور آنکھوں، کانوں میں رکھ دیئے جائیں جو انہوں نے اسی روز کے لئے محفوظ رکھے تھے۔"

ابن جریر طبری کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

"رسول اللہ صلعم نے مجھے ایک قمیص پہننے کو دیا تھا، میں نے اسے رکھ چھوڑا ہے اور ایک دن حضرت نے ناخن تراشے تھے میں نے کترن اٹھالی اور ایک شیشہ میں اسے رکھ دیا ہے جب میں مر جاؤں تو وہ قمیص، مجھے پہنا دینا اور اس کترن کو ریزہ ریزہ کرکے رگڑ کے میری آنکھوں میں، میرے منہ میں چھڑک دینا۔ امید ہے کہ اس کی برکت سے خدا مجھ سے رحم کرے گا۔" (تاریخ طبری ج۵ ص ۱۶۴)

سیدنا معاویہؓ کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین ہوئی اور آپ کے صاحبزادے سیدنا یزیدؒ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس جلیل القدر صحابی، عرب کے عظیم مدبر و منتظم، خلیفۂ راشد سیدنا معاویہؓ کو سرزمینِ دمشق میں سپردِ خاک کر دیا گیا، جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے برسوں سے بکھرے ہوتے شیرازے کو اتحاد و محبت کی دولت سے سرفراز فرما کر لبوئے منزل جادہ پیما کیا تھا ۔

الٰہی پھر وہی شوکت ملے دینِ پیمبرؐ کو
الٰہی پھر کوئی ابن ابی سفیانؓ پیدا کر

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امیر یزیدؒ والد کے انتقال کے وقت دمشق سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ سیدنا معاویہؓ نے دمشق کے گورنر سیدنا ضحاک بن قیس الفہریؓ کو ان کے لئے وصیت نامہ لکھوایا تھا۔ اور انہوں نے ہی سیدنا معاویہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

یوں تو ابتدائے شعور ہی سے حضرت یزیدؒ کو فوجی تربیت، جہادی شرکت، اور حج کی امارت وغیرہ شخصی و قومی ضرورت کے پیشِ نظر دمشق سے باہر آنا، جانا رہا ہی کرتا تھا، جس کی تفصیلات پچھلے اوراق میں آچکی ہیں۔ لیکن ۵۰ھ ہجری کے اواخر میں آپ اجماعی ولی عہدی کے بعد تو مستقبل کی اہم ترین ذمہ داریوں سے کماحقہٗ واقفیت اور عملی تجربات وغیرہ کے لئے دار الخلافہ سے باہر، دوسرے علاقوں میں پہلے سے زیادہ جانا ہوتا ہوگا۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ ایسی ہی کسی ضرورت کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کی وفات پر دمشق میں نہ رہے ہوں۔ اور والد کی بیماری یا وفات کی اطلاع ملتے ہی آگئے ہوں۔ یہ کوئی اعتراض یا اچنبے کی بات بھی نہیں۔ سربراہانِ مملکت اور قومی و ملکی انتظام کے حامل افسران کو اس طرح کے حالات سے عموماً سابقہ رہتا ہے۔ اسے ہوشمند دنیا میں کسی بھی زاویے سے عیب شمار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مشہور شیعہ مؤرخ ابو مخنف نے مقتل حسین ص۵ پر بتایا کہ امیر یزیدؒ اس وقت حمص پر والی مقرر تھے —— لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عجمی روایات ساز عناصر نے، اس قسم کے روایاتی افسانے اس لئے وضع کئے ہیں کہ انہیں آڑ بنا کر ہمعصر صحابہؓ و تابعینؒ کے متفقہ نامزد ولی عہد و خلیفہ، سیدنا یزیدؒ ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں اتحاد و محبت کے پیکر سیدنا معاویہؓ کو بھی سب و شتم

اور تبرا کا نشانہ بنایا جاسکے ـــــ بنابریں ان تبرائی روایات کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ ان کے بالمقابل واقعاتی تسلسل اور ہمعصر امت کی عملی شہادت سے ہم آہنگی رکھنے والی وہ صحیح روایات ہی لائق تسلیم ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہ کی وفات کے موقعہ پر سیدنا یزیدؒ دمشق میں موجود تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد ماجد کی نماز جنازہ پڑھائی۔

چنانچہ قدیم مؤرخ محمد بن اسحاق اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

صلّی علیہ ابنہ یزید ـــــ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۴۳)

"یعنی سیدنا معاویہؓ پر ان کے بیٹے امیر یزیدؒ نے نماز پڑھائی۔"

امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات پر یوں تو تمام مسلمانوں کو رنج تھا لیکن سیدنا یزیدؒ مشفق والد کی ابدی جدائی سے سرتاپا غم واندوہ تھے۔ ان کے اتران چہرے اور غم میں ڈوبی ہوئی مدہم آواز سے حزن وملال کے آثار نمایاں تھے۔ تدفین سے فراغت پاکر جامع دمشق میں مجمع عام کے سامنے سیدنا یزیدؒ نے خطبہ دیا۔ امیر المؤمنین، اور خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے یہ آپ کا سب سے پہلا خطبہ ہے، اس موقعہ پر آپ نے کہا:۔

الحمد للہ الذی ما شاء منع من شاء اعطی ومن شاء منع ومن شاء خفض ومن شاء رفع ان معاویۃ بن ابی سفیان کان حبلاً من حبال اللہ مدّہ ما شاء ان یمدّہ ثمّ قطعہ حین شاء ان یقطعہ فکان دون من قبلہ وخیراً ممن یأتی بعدہ ولا ازکیہ وقد مار الی ربہٖ فان یعف عنہ فبرحمتہٖ وان یعذّبہ فبذنبہ وقد ولّیت بعدہ الامر ولست اعتذر من جھل

ولا اسی عن طلب علم، وعلی رسلکم، اذا کرہ اللہ شیئاً غیّرہٗ واذا اراد شیئاً یسّرہٗ۔ (العقد الفرید ج۲ ص ۳۷۸)

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا اور جس سے چاہے روک لیتا ہے۔ وہ جس کو چاہے ذلیل کرے اور جسے چاہے سربلند کرے۔ جناب معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسّی تھے، اللہ نے جب تک چاہا اسے دراز کئے رکھا اور جب ارادہ کیا قطع کردیا ـــــ آپؓ اپنے پہلوں سے کمتر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے، میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں، وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے، وہ انہیں معاف کرے تو یہ اسکی رحمت ہے اور اگر گرفت کرے تو کوتاہیوں کا بدلہ۔ ان کے بعد مجھے معاملات خلافت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلب علم سے مایوس نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں۔ اللہ جب کسی چیز کو برا محسوس کرتا ہے تو اسے بدل دیتا ہے، اور جس چیز کو پسند رکھتا ہے اسے آسان بنا دیتا ہے۔"

علامہ ابن کثیرؒ دمشقی نے بھی معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ اس خطبہ کو نقل کیا ہے ـــــ امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کے اس فصیح، بلیغ اور موقعہ ومحل کی مناسبت سے برجستہ دیئے ہوئے ایمان افروز خطبے کا حاضرین پر بے حد اثر ہوا ـــــ خطاب کے بعد لوگوں نے تحسین وآفرین اور نئے خلیفہ حضرت یزیدؒ کی پسندیدگی و ہردل عزیزی کا اس والہانہ انداز میں اظہار کیا:۔

فافترق الناس عنہ وھم لا یفضّلون علیہ احداً

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۴۳)

دیئے۔ سیدنا معاویہ رضؓ کی وفات تک شام کے مشہور صوبے "حمص" پر گورنر کے عہدے سے متعلق قومی خدمات کا اعتراف تو ابو مخنف جیسے متعصب رافضی کی زبانی پچھلے اوراق میں بھی نقل ہو چکا ہے۔

غرضیکہ دس سالہ ولی عہدی کے بعد ۲۲ رجب ۶۰ھ ہجری والد ماجد کے انتقال پر اگرچہ بیعتِ ولی عہدی کے نتیجہ میں آپؒ منصبِ خلافت پر فائز ہوتے۔ تاہم اس زمانے کے مروجہ انتظامی دستور کے مطابق نئے سرے سے پوری ریاست میں آپ بیعت خلافت ہوئی، جس کا آغاز وفاقی دارالخلافہ یعنی شام کے مرکزی شہر دمشق کے اس عام اجتماع سے ہوا، جس میں آپ نے امیر المؤمنین کی حیثیت سے اوپر نقل کردہ پہلا خطاب فرمایا۔۔۔۔۔ اس کے بعد ہر ہر علاقے میں وہاں کے گورنروں کے ہاتھ پر سیدنا یزیدؒ کے لئے خلافت کی بیعت کی گئی۔

چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :۔

ھو یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان ... امیر المؤمنین ابو خالد الاموی ...... بویع له بالخلافۃ فی حیاۃ ابیه ان یکون ولی العھد من بعدہ، ثم اکّد ذلك بعد موت ابیه .... فاستمر متولیا الی ان توفی فی الرابع عشر من ربیع الاول سنۃ اربع وستین۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

"امیر المؤمنین، ابوخالد، یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہم کے لئے والد کی زندگی میں ولی عہدی کی بیعت ہوئی۔ پھر والد کے انتقال کے بعد (بیعت خلافت کے ذریعہ) اس کی توثیق عمل میں آئی۔ سیدنا یزیدؒ اپنی وفات یعنی ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ ہجری تک مسلسل خلیفہ رہے۔"

میں سیدنا یزیدؒ کی بیعتِ خلافت کی گئی۔ اکابر صحابہ و تابعین نے خود شریکِ بیعت ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے حلقۂ اثر لوگوں کو بھی بیعت و اطاعت اختیار کرنے کی ترغیب دلا کر خلیفہ یزیدؒ کی صالحیت اور قائدانہ صلاحیت کا قولاً و فعلاً پرچار کیا۔

اس سلسلہ میں مؤرخین نے بطورِ خاص بیان کیا ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ کے انتقال کی خبر مکہ معظمہ میں حبر الامت، ترجمان القرآن، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو پہنچی تو آپ اس وقت احباب کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھے تھے ــــ خبرِ وفات سنتے ہی آپ نے دستر خوان اٹھوا دیا اور دیر تک مرحوم خلیفہ کے لئے دعا کرتے رہے۔ اور ان کے محاسن و کمالات کا تذکرہ کرتے رہے اور پھر آپ نے فرمایا :-

وان ابنہٗ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم ...... فمضی فبایع ۔

[الانساب والاشراف، بلاذری ج ۴ ص ۴
الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۰۲]

" بلاشبہ سیدنا معاویہؓ کے فرزند امیر یزیدؒ اپنے خاندان کے نیک لوگوں میں سے ہیں۔ تم اپنی جگہ بیٹھے رہنا۔ اطاعت کرنا اور بیعت میں داخل ہونا۔ پھر آپؓ (گورنر مکہ سیدنا خالدؒ بن عاص) کے پاس تشریف لے گئے اور بیعت فرمائی "۔

شیخ الصحابہ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے مدینہ منورہ میں وہاں کے گورنر سیدنا ولیدؒ بن عتبہ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی :-

فلما جاءت البیعۃ من الامصار بایع ابن عمر مع الناس

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۸)

"جب دیگر شہروں سے بیعت کی اطلاع موصول ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اہلِ مدینہ کے ساتھ بیعت کی "۔

علامہ طبری کا بیان ہے کہ :-

" جب تمام شہروں کی بیعت کا حال ان کو معلوم ہوا تو ولید بن عتبہ کے پاس آکر انہوں نے بھی بیعت کر لی اور ابن عباس نے بھی "۔

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۱۸۱)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے اس عملی موقف سے اس روایت کی واضح طور پر تردید ہو جاتی ہے، جس کے ذریعہ منافقینِ عجم نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ پوری مسلم قوم کی اجتماعیت کے علی الرغم چار، پانچ اشخاص نے امیر یزیدؒ کی ولی عہدی کی بیعت کر لینے کے باوجود بیعت خلافت سے علیحدگی اختیار کئے رکھی جن میں ان ہر دو حضرات کے علاوہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا حسین بن علیؓ کے اسمائے گرامی بتلائے جاتے ہیں ــــ

اسی سلسلے میں عجمی ٹکسال کی فراہم کردہ ایک روایت کے بھروسے پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان حضرات کی جانب سے خطرے کے پیشِ نظر سیدنا معاویہؓ نے انتقال سے قبل ہی اپنے جانشین امیر یزیدؒ کو وصیت کرتے ہوئے ان میں سے ہر ایک کے متعلق الگ الگ ہدایات بھی دے دی تھیں۔ چنانچہ اس روایت کے اولین درآمد کنندہ، متعصب شیعہ مؤرخ ابومخنف نے سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب وصیت نامے کا متعلقہ حصہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

" تمہارے خلاف مجھے صرف چار آدمیوں سے خطرہ ہے۔ وہ تم سے بیعت نہیں کریں گے اور تمہارے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے! ان میں پہلے تو ہیں عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ لیکن وہ دنیادار آدمی ہیں لہٰذا تم انہیں دنیا ہی میں منہمک رکھنا۔ اور وہ جو چاہیں انہیں کرنے دینا۔ اس طرح وہ نہ تمہارے حق میں رہیں گے اور نہ تمہارے خلاف۔

دوسرے شخص ہیں عبداللہ بن عمرؓ۔ وہ قرآن و محراب کے رسیا ہیں۔ دنیا سے انہیں تعلق نہیں اور آخرت کی طرف ان کی توجہ ہے میرا گمان نہیں کہ حکومت کے بارے میں وہ تم سے جھگڑا کریں یا اس کے حصول کے طلب گار ہوں۔ تیسرے شخص ہیں عبداللہ بن زبیرؓ۔ وہ تم سے چال تو چلیں گے، لومڑی کی سی، مگر گھٹنے ٹیک کر مقابلے پر آئیں گے شیر کی طرح اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو اور اگر وہ صلح رکھیں تو صلح رکھو بلکہ وہ اگر تمہیں کوئی مشورہ دیں تو اسے قبول کر لینا۔

پھر چوتھے شخص ہیں حسین بن علی۔ لوگ انہیں دعوت دیتے رہیں گے تاآنکہ تمہارے مقابلے پر لا کھڑا کریں۔ اب اگر تم فتح پالو تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی قرابت کا لحاظ رکھنا۔ بیٹا یاد رکھو کہ ان کے باپ تمہارے باپ سے، ان کے نانا تمہارے نانا سے۔ ان کی ماں تمہاری ماں سے بہتر ہیں۔"

(مقتل حسین، اردو ص ۵۱)

یہی وہ روایت ہے جسے ابو مخنف جیسے دروغ گو اور کٹر سبائی نے سب سے پہلے گھڑ کر اپنی کتاب کی زینت بنایا اور پھر بعد کے مؤرخین نے بے سوچے سمجھے اسی کے اعتماد پر "نقل را چہ عقل" کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب کہیں میرا گھر نہ ہو

اگرچہ سیدنا معاویہؓ کے حالات زندگی، حکومت و خلافت کے سلسلے میں ان کے مدبرانہ طرز عمل، مسلم اجتماعیت سے متعلق ان کی پرخلوص خدمات اور مستقبل میں اسلامی خلافت کو انتشار و خانہ جنگی کی ہر ممکن ہلاکت خیزی سے بچانے کے لئے مشفقانہ اور قبولِ عام اقدامات سے آگاہی رکھنے والا ہر شخص معمولی سے غور و فکر کے بعد اس وضعی

روایت کی رکاکت کا اندازہ لگا کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس وصیت نامے اور من گھڑت روایت کے مقابلہ میں صحابیٔ رسولؐ، کاتبِ قرآن، عظیم خلیفہ راشد۔۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے نقوشِ زندگی سے مطابقت رکھنے والی وہ وصیت درست اور قابل قبول ہے جسے ہم پچھلے اوراق میں "وفات سیدنا معاویہؓ" کے زیر عنوان درج کر آئے ہیں۔ تاہم ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت سے متعلق بعض امور کی نشاندہی کر دی جاتی تاکہ اس کی وضعیت مزید نکھر کر سامنے آجائے ـــــــ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سبائی ڈھول نے ہمارے زمانے کے بڑے بڑے صاحبانِ فضل کے مقدس چہروں کو خاک آلود اور دلوں کو مسموم کر رکھا ہے۔

اوّل:۔ اس روایت میں امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کے لئے خلافت کی بیعت نہ کرنے والوں میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور اس سلسلہ کی بعض دوسری روایات میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بھی شامل کیا گیا ہے حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان ہر دو حضرات نے نہ صرف یہ کہ خود بیعت میں شمولیت اختیار فرمائی اور زندگی بھر اس پر قائم رہے بلکہ اپنے زیر اثر لوگوں کو بھی ترغیب و تاکید فرماتے رہے، جیسا کہ پیچھے نقل کردہ تاریخی حوالہ جات میں بصراحت بیان ہوا ہے۔ بنا بریں یہ روایت قطعی من گھڑت اور بے بنیاد ہے۔

دوم:۔ اس روایت کی رو سے سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بھی سیدنا یزیدؒ کی بیعتِ خلافت سے کنارہ کش رہے۔ جبکہ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی مسلمہ ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اس وقت دنیا میں موجود ہی نہ تھے، بلکہ وہ۔۔۔۔ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی وفات، رجب ۶۰ھ، سے پہلے فوت ہو چکے تھے، اس سلسلہ کے بعض تاریخی ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مشہور مؤرخ علامہ ابن قتیبہؒ ارقام فرماتے ہیں:۔

مات فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل بقراب مكة.

(المعارف ص ۲۶)

"سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک انتقال ہوگیا"

امام ابوعبداللہ محمد النیشاپوریؒ لکھتے ہیں:۔

مات عبد الرحمٰن بن ابی بکر فجاءة وكنيته ابوعبدالله ومات سنة ثلاث وخمسين۔ (مستدرک ج۳ ص۴۷۵)

"سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہوئے، سن وفات ۵۳ھ تھا"

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

توفي عبد الرحمٰن بحبشي وهو اثنى عشر ميلاً من مكة فحمل الى مكة فدفن بها وقال ابن سعد وغير واحد كان ذلك سنة ثلاث وخمسين۔ (تہذیب التہذیب ج۶ ص ۱۴۷)

"حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات حبشی نامی مقام پر ہوئی جو مکہ مکرمہ سے بارہ[۱۲] میل کے فاصلے پر ہے۔ ان کی میت کو مکہ لاکر دفن کیا گیا۔ مورخ محمد بن سعدؒ اور بہت سے مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کا سنِ انتقال ۵۳ھ ہے"

علامہ حافظ ابن کثیرؒ دمشقی لکھتے ہیں:۔

ان عبد الرحمٰن توفي سنة ثلاث وخمسين قاله الواقدي وكاتبه محمد بن سعد وابو عبيد وغير واحد۔

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۸۹)

"بلاشبہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ ۵۳ھ میں فوت ہوئے، مورخ واقدی ان کے کاتب محمد بن سعد اور ابو عبید نیز بہت سے مورخین کا یہی بیان ہے"

مؤرخین کے مذکورہ بیانات سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ۵۳ھ ہجری یعنی سیدنا معاویہؓ کی وفات سے تقریباً سات سال پہلے انتقال کر گئے تھے۔

بعض روایات میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات سے متعلق بعض دوسرے سنوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، لیکن یہ بات متفق علیہ اور طے شدہ ہے کہ وہ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی خلافت کے وقت زندہ نہیں تھے بلکہ اس سے کئی برس قبل فوت ہوچکے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ ۵۸ھ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات کا قول نقل کرتے ہوتے نتیجہ نکالتے ہیں:۔

كان قد توفي قبل موت معاوية بسنتين كما قدمنا

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص ۱۱۵)

جیساکہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا انتقال حضرت معاویہؓ کی وفات سے دو سال پہلے ہوچکا تھا"

حاصل یہ کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ کا سنِ وفات ۵۳ھ ہو یا ۵۸ھ مان لیا جائے۔ یہ بات بہر حال تسلیم کرنا ہی ہوگی کہ وہ وفاتِ سیدنا معاویہؓ اور خلافت سیدنا یزیدؒ سے برسوں پہلے انتقال کر چکے تھے۔ عجیب بات ہے کہ وصیت نامے والی اس داستان میں موت کے بعد بھی انہیں موجود شمار کیا گیا ہے ــــ شاید کند ذہن راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی کوفی کو "دروغ گو را حافظہ نباشد" کے مطابق یہ کہانی گھڑتے وقت سیدنا عبدالرحمٰنؓ کا سنِ وفات یاد نہ رہا ہو یا پھر عین ممکن ہے کہ اس سبائی بچے نے اس ضمن میں خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا انتخاب کرکے اپنے مذہب کے کسی تقاضے پر عمل کیا ہو۔ اگر آپ رافضی مورخ کی اس روایت کے الفاظ پر غور فرمائیں تو صاف محسوس ہوگا کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسے مجاہد اور پاکباز صحابی کو دنیادار

عورتوں کا رسیا اور خواہشات کا دیوانہ کہہ کر اس نے عجمی مذہب کا بنیادی فریضہ "تلاوت تبرا" ادا کیا ہے۔ مقتل حسین کے نقل کردہ اردو الفاظ کے ساتھ مؤرخ ابن کثیرؒ کے ان الفاظ پر بھی غور فرمائیں جو انہوں نے اسی ابو مخنف سے بحوالہ طبری نقل کئے ہیں :۔

لیست له همة الا فی النساء واللهو البدایہ والنہایہ ص ۱۱۵ ج ۸

ان عربی الفاظ کے ترجمہ کے لئے تاریخ طبری اردو کی مطبوعہ عبارت ملاحظہ ہو:

"اسے عورتوں اور لہو ولعب کے سوا کسی بات کا خیال نہیں"۔

(تاریخ طبری اردو ج ۵ ص ۱۶۱)

اس سفید جھوٹ ـــــ نیز اصحاب رسولؐ پر سب وشتم اور کھلے تبرے پر مشتمل ہوتے ہوئے اس روایت کے فرضی اور من گھڑت ہونے میں کسی قسم کا شک ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد پوری ملت اسلامیہ نے برضا ورغبت امیر المؤمنین سیدنا یزیدؒ کے لئے خلافت کی بیعت کی۔ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی مسلم ریاست کے اس اجماع کے مقابلہ میں جن پانچ قابل احترام بزرگوں کے نام لئے جاتے ہیں ان میں سے صرف دو یعنی سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے سیدنا یزیدؒ کی بیعت خلافت میں شمولیت اختیار نہیں کی ـــــ لیکن کروڑوں افراد پر مشتمل مسلم قوم کے اجماعی فیصلے کے سامنے [illegible]

زیر بحث گفتگو کا یہ پہلو اس بات کا متقاضی ہے کہ خود ساختہ عقیدہ وعقیدت کی پیدا کردہ حساسیت اور اشخاص پرستی کے غیر اسلامی جذبے سے قطع نظر کرتے ہوئے پوری دیانت اور حقیقت پسندی سے غور کیا جاتے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ہمعصر صحابہ وتابعین کے برعکس یکے بعد دیگرے سیدنا حسینؓ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے اقدام وخروج، اس کے اسباب اور پیدا شدہ عواقب ونتائج تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔

اللّٰھم الھمنا اشد امورنا۔ واعذنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

ـــــــــــــــ

ابو الحسین محمد عظیم الدین صدیقی



کتابیات

۱ - القرآن الکریم
۲ - صحیح بخاری
۳ : صحیح مسلم
۴ - سنن ابوداود
۵ - جامع ترمذی
۶ - مشکوٰۃ المصابیح
۷ - مستدرک حاکم
۸ - کنز العمال
۹ - عمدۃ [illegible] بخاری
۱۰ - فتح الباری شرح بخاری
۱۱ - نووی شرح مسلم
۱۲ - تہذیب التہذیب
۱۳ - قسطلانی شرح بخاری
۱۴ - موضوعات کبیر
۱۵ - شرح فقہ اکبر
۱۶ - لمعات
۱۷ - البدایہ والنہایہ - ابن کثیر
۱۸ - تاریخ ابن خلدون اردو
۱۹ - مقدمہ ابن خلدون عربی
۲۰ - مقدمہ ابن خلدون اردو
۲۱ - تاریخ الامم والملوک - طبری
۲۲ - تاریخ طبری اردو
۲۳ - طبقات ابن سعد
۲۴ - تاریخ ابن اثیر
۲۵ - انساب الاشراف - بلاذری
۲۶ - الاصابہ - ابن حجر
[illegible] - ابن اثیر
۲۸ - الاخبار الطوال - ابوحنیفہ دینوری
۲۹ - الامامۃ والسیاسۃ - ابن قتیبہ
۳۰ - الملل والنحل ابن حزم
۳۱ - المعارف ابن قتیبہ
۳۲ - منہاج السنۃ ابن تیمیہؒ
۳۳ - یزید بن معاویہؓ "
۳۴ - المنتقیٰ ذہبیؒ
۳۵ - العواصم من القواصم - ابن عربیؒ
۳۶ - تعلیقات العواصم - الخطیبؒ
۳۷ - تاریخ الاسلام - ذہبیؒ
۳۸ - شرح ابن ابی الحدید
۳۹ - ناسخ التواریخ
۴۰ - العقد الفرید ابن عبد ربہ
۴۱ - الفخری اردو
۴۲ - حماۃ الاسلام
۴۳ - حیاۃ الصحابہؓ عربی
۴۴ - " " اردو
۴۵ - الحسین اردو
۴۶ - حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط
۴۷ - خلافت وملوکیت مودودی
۴۸ - مقتل حسینؓ اردو - ابومخنف
۴۹ - محاضرات تاریخ الامم - خضری بک
۵۰ - ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہؒ
۵۱ - نہج البلاغۃ عربی
۵۲ - مروج الذہب مسعودی
۵۳ - الاستیعاب ابن عبد البر
۵۴ - جلاء العیون مجلسی
۵۵ - علیؓ وبنوہٗ طٰہٰ حسین
۵۶ - حضرت علیؓ اردو
۵۷ - خلافت معاویہؓ ویزیدؒ علامہ عباسیؒ
۵۸ - تحقیق مزید
۵۹ - سیرت النبیؐ علامہ ندویؒ
۶۰ - مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ
۶۱ - احکام سلطانیہ اردو
۶۲ - سیرت خلفائے راشدین - مولانا عبدالشکور لکھنویؒ

produce any other witness in the above matter during the last 4½ years.

An application under Section 249 Cr.P.C. was moved by the Defence Counsel on 6-12-1983 copy where was supplied to the prosecution. The learned Counsel for the accused argued that copy of the statement of prosecution witnesses recorded under Section 161 and 164 Cr.P.C. was not supplied to the accused and no portion and/or sentence contained in the said book h[illegible] been pointed out so far which is considdred to be objectionable.

CANCELLED

The prosecution has been given ample time to produce the witnesses cited in this matter but none witnesses has been produced and examined. Statement Additional witnesses i.e. P.W.1 did not implicate the accused. It shown that either the prosecution has n[illegible] case against the accused or that it has no interest [illegible] proce against him and wants to prolong the proceedin[illegible] and linger on the matter. In the light of the facts circumstances of this case I allow the application a[illegible] under Section 249-A Cr.P.C. acquit the accused Abdul Hassan Mohammad Azimuddin Siddiqui and discharge the surety bail bonds.

Given under the hand and the seal of this co[illegible] this 8th day of September, 1986.

Sd/- MohammadUsman Panhwar,
A.C. & S.D.M. Bin Qasim,
Karachi.

16-12-87
5-1-88
7-1-88
10-1-88

CERTIFIED TRUE COPY

CANCELLED

IN THE COURT OF A.C. & S.D.M. BIN QASIM EAST KARACHI.

CASE NO.269/82

U/S 295-A P.P.C

State Vs. Mohammad Azimuddin Siddiqui.

JUDGEMENT

A book entitle "Hayat-e-Syedna Yazid (A)" was written by the accused some time in 1979. It was learnt by the Ministry of Interior, Government of Pakistan, Islamabad, that during Shia Convention held at Dipalpur on the 18th and 19th September, 1981, this book was severely criticised and Mufti Jaffar Hussain reportedly had book should be punished before the close of the month of Zilhaj therefore this case was initiated by the Home Deptt. Govt. of Sind, against the accused. Non-bailable warrants areissued and the accused was arrested on 27-10-1982 under Section 295-A PPC. The charge was framed by this Court on 5-3-1983 against the accused. As the accused did not plead guilty, the prosecution was ordered to adduce evidence in this matter.

The prosecution cited three witnesses, one Mufti Jaffer Hussain and two Police officers but the prosecution failed to produce any witness though process had been repeatedly issued and even both the Police officers were posted at Karachi. During the pendency of this case an application for examining an additional witness from Home Deptt. Govt. of Sind, which was allowed and one Section Officer Muhammad Ali Shah was examined by the prosecution as P.W.1 His statement was recorded as Ex.2.

The deposition of P.W.1 did not implicate the accused person, beside the prosecution has failed to

......2.....